۷۸۶

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ

وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل کی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں ترقی کریں

قوت الایمان

مؤلفہ

حضرت زبدۃ العارفین وقدوۃ السالکین و واقف رموز حقیقت و
عارف اسرار معرفت حضرت مولانا پیر و مرشد السید نجم الدین صاحب
مدظلہ العالی متع اللہ بفیضہ ۔ مجتہدی اہل دائرہ کلاں ۔ مشیر آباد ۔ حیدر آباد دکن

حسب فرمائش

جناب حاجی میاں محمد حاجی خوبن بھائی کمپنی والے اور عبدالرحیم میاں بھائی ساکنان ڈبھوئی

ناشر

ادارۂ تبلیغ و اشاعتِ دین ڈبھوئی ۔ ضلع بڑودہ ۔ گجرات

گزارش

برادرانِ مہدویہ ہند و بیرونِ ہند کی خدمت میں عرض ہے کہ آج کل افرادِ ملت، دین و مذہب سے دور اور غافل ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ ان میں تبلیغ و اشاعت دین کا کام خاطر خواہ نہیں ہو رہا ہے۔ اور ایسے لوگ، جو مذہبی معلومات کی کمی کے باوجود، مذہب کی پیروی کر رہے ہیں، اُن پر بعض شریر النفس اعتراضات کرتے ہیں۔ اس لئے اِشاعتِ دین اور رفع اعتراضات کی آج کل شدید ضرورت ہے۔ بنابریں حضرت زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین واقفِ اسرار و رموز حقیقت و عارف ذات قدیم حضرت مولانا و مرشدنا سید نجم الدین صاحب مدظلہ العالی نے زیرِ نظر مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ تاکہ برادرانِ مہدویہ کے لئے عام طور پر اور آپ کے مریدین کے لئے مفید ثابت ہو، جو اقطاع ہند میں پھیلے ہوئے ہیں جیسے ایچ پور، ڈون گاؤں، دولت آباد اورنگ آباد، جالنہ، بمبئی، احمد آباد، بڑودہ، سورت، بھروچ، حالول ڈبھوئی وغیرہ۔

اکثر مریدوں اور عقیدت مندوں کا و نیز جناب حاجی میاں محمد حاجی خوبن بھائی کملی والوں صدر ادارۂ تبلیغ و اشاعت دین ڈبھوی ضلع بڑودہ (گجرات) اور احقر معتمد ادارۂ مذکور کا معروضہ حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں اشاعتِ رسالہ مذکور کے لئے ہوا تو آپ

نے اس گزارش کو قبول فرمالیا اب یہ رسالۂ نافعہ ناظرین کی خدمت میں "قوّت الایمان" کے نام سے پیش کیا جارہا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ یہ رسالہ پڑھنے والوں کے دل وایمان کی صفائی کا وسیلہ ثابت ہوگا اور آنکھ والوں کو نورانیت کی روشنی اور قوتِ شامہ رکھنے والوں کو روحانیت کی خوشبو مہکتی محسوس ہوگی

حضرت موصوف مدظلہٗ العالی نے بھی حالیہ سفرِ زیارت حج بیت اللہ شریف و مدینہ شریف میں علماء مخالفین سے ثبوت مہدی موعود علیہ السلام پر گفتگو فرماکر بہترین انداز سے اُنہیں خاموش وساکت کردیا، یہاں اُن کی گفتگو کا ماحاصل ناظرین کی دلچسپی اور اضافۂ معلومات کی غرض سے رسالۂ مذکور کے آخری حصہ میں شامل کیا گیا ہے۔ اور ادارۂ تبلیغ واشاعت دین ڈبھوئی ضلع بڑودہ (گجرات) نے افادۂ عام کی غرض سے اس کی طباعت کروائی ہے۔ فقط

(قاری) عبدالرحیم میاں بھائی

ڈبھوئی روبرو ٹاور

ضلع بڑودہ گجرات

ج

فہرستِ مضامین رسالہ قوّت الایمان

۱	تمہید	صفحہ	۱	تا	صفحہ	۴
۲	افتراقِ اُمّت	″	۴	تا	″	۱۱
۳	بعثتِ مہدیؑ	″	۱۱	تا	″	۲۸
۴	قرآن اور مہدیؑ	″	۲۸	تا	″	۳۷
۵	حضرت مہدیؑ اور بیان قرآن	″	۳۷	تا	″	۴۱
۶	مقصدِ عبادت	″	۴۱	تا	″	۴۶
۷	توکل تمام	″	۴۶	تا	″	۴۹
۸	ترکِ دنیا	″	۴۹	تا	″	۵۸
۹	ختم قرآن	″	۵۸	تا	″	۵۹
۱۰	ایصالِ ثواب	″	۵۹	تا	″	۶۱
۱۱	عوذ دینا	″	۶۱	تا	″	۶۳
۱۲	بہرۂ عام	″	۶۳	تا	″	۶۵
۱۳	اللہ نے دیا ہے	″	۶۵	تا	″	۶۸
۱۴	بولا چالا معاف کرانا	″	۶۸	تا	″	۷۰
۱۵	عمل قدمبوسی	″	۷۰	تا	″	۷۳
۱۶	نماز لیلۃ القدر	″	۷۳	تا	″	۷۵
۱۷	دوگانۂ تحیۃ الوضوء	″	۷۵	تا	″	۷۷
۱۸	تسبیح متعارف گروہ مہدویہ	″	۷۷	تا	″	۸۰
۱۹	سلام پھیرنا	″	۸۰	تا	″	۸۱
۲۰	ذکر اللہ	″	۸۱	تا	″	۸۴
۲۱	سوال و جواب	″	۸۴	تا	″	۱۰۰
۲۲	قطعۂ تاریخ	″	۱۰۱			—

تقریظ برکتاب "قوت الایمان"

مصنفہ حضرت پیر و مرشد سید نجم الدین صاحب سجادہ دائرہ کلان مشیر آباد۔

از فقیر محمد نور الدین عربی

ایک ستارہ دینِ حق کا ہیں میاں حبیب انصا میاں
ہیں صفاتِ عالیہ میں آپ منبع خیر کا

کون ہیں آپ؟ آپ اپنے وقت کے ہیں آج ایک
راستباز و نرم گفتار و حلیم و بُردباد

آپ کے اجداد سے جس دائرہ کا ہے قیام
ہے توجہ آپکی وہ، جس سے دل ہیں مستنیر

روشنی یہ آپ نے پائی ہے اپنے باپ سے
فیض تھا شمس ولایت مہدیٔ موعودؑ کا

جب شعاعیں فیض بار ہونے لگیں اسماہ کی
وہ تھے بحر بیکراں تو گوہر یکتا ہیں آپ

ایک نوشتہ نے تو بخشی تھی جلاء ایمان کی
درج اس میں کی گئی ہیں آیتیں قرآن کی

ہے رقم اس میں کہیں سنت رسول اللہؐ کی
ہے کلام اس میں کہیں پیر اولیاء اللہ کا

ثبت سب اس میں ہیں اعمال گروہ پر شکوہ
یہ کتاب ہے نوجوانوں کی تشفی کیلئے

سر جھکا دے آستانِ مہدیٔ موعودؑ پر
دنگ ہو جائے تو اس کی شوکت تحریر سے

ہر ورق پر اس کے ہے تابانی لمعات علم
بیشک یہ تحریر قوت بخش ہے ایمان کو

فیضیاب اس سے ہیں اہل علم اے عربیؔ تمام

اس لئے تو ہے مبارک نام حضرت "نجم دین"
ذاتِ عالی آپ کی ہے مرکزِ انوارِ دین

مُرشد و ہادی و رہبر، شیخ و سجادہ نشین
صاحبِ دل، باصفا، خوش خو و سنجیدہ و متین

وہ اگر انگشتری ہے، آپ ہیں مثلِ نگین
آپ ہی کے پند سے ہی ذہن میں حق جاگزیں

وہ تو تھے مہتاب انور اور یہ ہیں نجم دین
ذاتِ انور بن گئی مہتاب یا ماہِ مبین

نجم دین نجم السحر بنکر بنے اسکے امین
وہ تھے معدن خوبیوں کا آپ ہیں دُر ثمین

قوت الایمان ہے تحریر دلگیر بالیقین
اور ہر آیت کی تفسیر دلکش دلنشین

اسمیں ہے طور و طریق انبیائے سابقین
مہدیٔ موعودؑ کی ہیں نقلیات اسمیں کہیں

نقش اس میں ہیں امور باطن دین مبین
یہ کتاب ان کے لئے چاہتے ہیں جو یقین

پڑھنے والا اس کو ہو گر عقل و دانش کے قرین
ہے عیاں لفظوں سے اس کے شان رب العالمین

ہے کہیں اسمیں ضیائے نور عرفان و یقین
بیشک یہ ترقیم ہے رونق دہ بلاغ یقین

فیض بخش ہو گیا ہی یہ تصنیف حضرت نجم دین

تمہید

ہر طرح کی تعریف و حمد کی مستحق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے جس نے لفظ "کُن" سے تمام کائینات کو ظاہر کیا۔ وہی دونو جہاں کا مالک اور رب ہے وہ تمام عیوب سے پاک ہے اس کی ذات کی کوئی حد نہیں اور کوئی اس کا مثل نہیں وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا۔ اُس نے محض اپنی پہچانت کے لئے تمام خلق کو پیدا کیا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر کرنے کے لئے نور محمدیؐ کو موجود کیا۔ جیسا کہ فرمایا لولاک لما اظھرت ربوبیتی یعنی اے محمدؐ اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات لاکھوں درود اور سلاموں کی مستحق ہے کہ آپؐ خدا کے محبوب بندے ہیں اور آپ ہی نے تمام انسانوں کو توحید حقیقی سے روشناس کیا۔ آپ ہی کے نور سے دوعالم کی تکوین ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں۔ انا من نور اللہ وکل شیئٍ من نوری میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام چیزیں میرے نور سے ہیں اور آپ کی آل اطہر پر بے حد حساب خدا کے درود و سلام نازل ہوں جن میں سب سے اکمل ترین ذات حضرت سید محمد مہدی موعودؑ کی ہے آپ کو خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام برحق کی مراد بیان کرنے اور خلقت کا راز ظاہر کرنے، خلق کو کتاب و سنت پر چلانے اور بدعتوں کو مٹانے کیلئے مبعوث فرمایا۔ آپ کی شان میں حضرت خاتم الانبیاء سرور ہر دوسرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا ہے کہ

"المھدی منّی یقفو اثری ولایخطی"

یعنے " مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا اور کبھی خطا نہ کرے گا"۔ ان دونوں ہادیاں برحق کے طفیل اور صدقے میں خلق اللہ کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی اور خدا کے دیدار کا راستہ ملا۔ خدا ان پر اور ان کی جملہ آل واصحاب پر بے حساب درود و سلام نازل کرے۔

امّا بعد فقیر حقیر عاصی پُر معاصی سید نجم الدین ابن مرشدنا حضرت سید انور عرف مہتاب میاں صاحب رح مجتہدی سجادہ دائرہ کلاں مشیرآباد (حیدرآباد) ناظرین با تمکین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ

احقر نے اس کے پہلے ایک مختصر رسالہ "جلاء الایمان" اپنے مریدوں اور دیگر برادرانِ دینی کی معلومات اور معترضین کے اعتراضات کے ارتفاع کیلئے لکھ کر شائع کیا تھا کہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ اب مکرر یہ رسالہ جس کا نام میں نے "قوّت الایمان" رکھا ہے شائع کیا جارہا ہے اس رسالہ میں کچھ تو وہ مسائل ہیں جن کا تذکرہ "جلاء الایمان" میں نہیں ہے اور کچھ وہ باتیں بھی ہیں جو جلاء الایمان میں ذکر کردی گئی ہیں تاکہ اُن کے ذکر مکرر سے بات بخوبی ذہن نشین ہوجائے۔ مقصد اس رسالے کا یہ ہے کہ میرے مرید و معتقد بالخصوص اس سے دینی فائدہ حاصل کریں اور دوسرے لوگوں کی معلومات میں بھی اس سے اضافہ ہو اور ان کے ایمان کو قوت پر قوت حاصل ہو۔

واضح ہو کہ جو لوگ بدباطن اور شریر النفس ہوتے ہیں ان کی طبیعت ہمیشہ بُرائی ہی کی طرف مائل رہتی ہے اور وہ کسی نہ کسی قسم کی شرارت

کرتے ہی رہتے ہیں کیونکہ اِن کا سینہ کینہ سے بھرپور اور حسد وبغض وعناد سے مالامال رہتا ہے۔ اِن لوگوں کی عادت ہی یہ ہوتی ہے۔ اچھی اور بھلی چیز کو بھی بُری صورت میں پیش کریں۔ لوگوں کو گمراہ کرنا اور سیدھے راستے سے ہٹانا اِن کے مطمح نظر ہوتا ہے۔ اور الذی یوسوس فی صدور الناس ایسے ہی لوگوں کیلئے فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مشرکین ہمیشہ توحید پرستوں کے اعمال وعقاید کو بُرا ثابت کرنے کی فکر میں لگے رہے۔ یہود و نصاریٰ آئے دن اسلام اور بانیٔ اسلامؐ کی شان میں گستاخی کو اپنا پیشہ بنائے رہے اور نت نئے اعتراضات شائع کرکے لوگوں کو قبولیت حق سے روکتے رہے اور مسلمانوں کے دل میں شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اِن کے اس عمل سے نہ دین اسلام کی شان میں کمی واقع ہوئی نہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ گھٹ گیا۔ بلکہ اِن کا یہ عمل آفتاب پر خاک اُڑانے کے مترادف ہوا اور ہو رہا ہے۔ اِسی طرح اِسلامی فرقوں میں بھی اکثر لوگ مذہبِ مہدویہ کو کج فہمی نادانی اور لاعلمی کے تحت بُرا کہتے اور اس پر قسم قسم کے اعتراضات وارد کرکے اہل اسلام کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن اِس سے نہ مذہب مہدیؑ کی شان و منزلت گھٹ سکتی ہے نہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی عظمت وجلال میں فرق آسکتا ہے کیونکہ مخالفین کی مخالفت بھی مذہبِ حق کی حقانیت کی ایک دلیل ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے بس ایسے ہی چند اعتراضات کا ذکر اس رسالے میں کیا گیا ہے اور اِس کا جواب شافی بھی خدا کی توفیق سے درج

رسالہ کیا گیا ہے اور چند دوسری باتیں جو خصوصیات مہدویہ سے ہیں، اس
میں لائی گئی ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس رسالہ کے پڑھنے والوں کو
توفیق نیک عطا کرے اور اس کو اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی کا سبب
بنادے، اس رسالہ کی تالیف میں مجھے اپنے محبِّ خاص قاری عبدالرحیم
میاں بھائی پان والا ساکن ڈبھوئی اور مخلصی و محبّی مولوی محمد نورالدین صاحب
عربی فقیر مہدوی سے جو ہماری مسجد (دائرہ کلاں) مشیر آباد میں معتکف
و مقیم ہیں بڑی مدد ملی۔ اوّل الذکر نے میرے پہلے مسوّدہ کو صاف کیا پھر
عربی صاحب نے اس کو نقل کیا اور کچھ ضروری بیانات میرے مشورہ سے
اس میں اضافہ کئے۔ پھر یہ دوسرا مسوّدہ حضرت مولوی سید خدا بخش
رشدیؔ صدر دارالاشاعت مہدویہ کے پاس اس فقیر نے روانہ کیا تاکہ اس
کو دیکھ کر کتابت کیلئے دیدیں۔ پس حضرت موصوف نے بھی اس میں ضروری
ترمیم و تصحیح کی ہے جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے فجزاھم
اللہ خیر الجزاء۔

افتراقِ اُمّت اور فرقۂ ناجیہ کی پہچان

حدیث شریف ہے قالؐ ستفترق امتی من بعدی
ثلثاً وسبعین فرقۃ وکلھم ملعون فی النار الاملۃ
ھی اھل السنۃ والجماعۃ (زاد النّاجی بحوالہ معرفۃ المذاہب) فرمایا نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب میں میری اُمّت میرے بعد تہتر فرقے بن جائیگی
سب کے سب ملعون دوزخ میں جائینگے سوائے ایک مِلّت کے کہ وہ اہل سنّت
والجماعت ہے، اس حدیث کو مولف مذاہب اسلام نے بھی صحیح تسلیم کرکے
اپنی کتاب میں اسکا ذکر کیا ہے، اس حدیث شریف سے ثابت ہورہا ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد

میں بٹ جائے گی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے لحاظ سے ہی ان میں ایک فرقے کے سوا سب دوزخی ہیں۔ اس ایک جنتی فرقہ کو آنحضرتؐ نے سنّت والجماعت کا نام دیا ہے۔ اسلام کے ان فرقوں میں قریب قریب ہر فرقہ خود کے سنت والجماعت اور ناجی ہونے کا مدعی ہے جو صحیح نہیں ہوسکتا۔ ہوگا تو ایک ہی فرقہ جنتی ہوگا اور وہی اہل سنت والجماعت سے ہوگا۔ اس لئے ایسے فرقہ کی پہچان ضروری ہوئی۔ آخر اس کی پہچان کیا ہے۔؟ یہ بات غور طلب ہے.... دیکھئے صحابہ کرامؓ نے جب دریافت کیا کہ۔

یارسول اللہ اہل سنت والجماعت سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ لوگ جو میری اور میرے اصحاب کی کامل پیروی کریں"۔

دیکھنا یہ ہے اُمّت مرحومہ میں کون لوگ ہیں جو اس کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں؟ یقیناً یہ وہی لوگ ہوسکتے ہیں جن کے پاس رسم وعادت و بدعت کی قسم کی کوئی چیز نہ ہو اور جو صرف سنت نبوی کو ہی چراغِ راہ بنائے ہوئے ہوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمّت میں بہت سی ایسی باتیں پیدا ہوگئیں جو زمانہ رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کے دور میں نہیں تھیں تو حسب بشارت آنحضرتؐ حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ آپؑ نے بدعتوں کو دور کرکے از سرِ نو سنت کو قایم کیا۔ آپ کے متعلق آنحضرتؐ فرماتے ہیں "المهدی منّی یقفوا اثری ولا یخطی"

"مہدی مجھ سے ہے، میرے قدم بقدم چلے گا اور خطا نہ کریگا"۔

اس ارشاد گرامی کی روشنی میں صاف صاف معلوم ہوگیا کہ جو بھی اس مبشر رسول اللہ ہستی "مہدی موعود مراد اللہ" سے وابستہ ہوگا یعنی جو حضرت مہدیؑ پر ایمان لاکر آپ کی پیروی کریگا وہی گروہ اہل سنت والجماعت قرار پائے گا۔ کیونکہ رسول اللہؐ کے بعد آپ کی اُمت میں سوائے مہدی علیہ السلام کے کوئی اور ہستی نہیں ہے جو آپ کی طرح معصوم اور خطا سے پاک ہو، اور ظاہر بات ہے کہ معصوم ہی آپ کی پیروی میں پورا پورا ثابت رہ سکتا ہے اور اس سے خطا کے صدور کا امکان بھی نہیں۔

دوسرے لوگ اس معیار پر پورے اُتر ہی نہیں سکتے۔ خود حضرت مہدی علیہ السلام کا دعویٰ بھی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ومکمل پیرو تھے۔ جیساکہ آپ کا ارشاد ہے کہ "ما مذہب تو نیا وردہ ایم، مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ"۔ یعنی ہم کوئی نیا مذہب نہیں لائے ہیں بلکہ ہمارا مذہب اللہ کی کتاب اور حضرت رسول اللہ کی اتباع ہے۔" گویا خود موعود اعظم مہدی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سنت والجماعت کی نشانی بتلادی ہے اور معیار پیش کردیا ہے۔ یہ کہکر کہ "ہم کو پرکھ لو، کیا ہم سے خلاف سنت کوئی عمل بھی ہورہا ہے ــــ پس ثابت ہوا کہ جو گروہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تصدیق کے بعد آپکی پیروی کریگا۔ فی الحقیقت اہل سنت والجماعت کہلانے کا مستحق ہے دوسرا کوئی گروہ اس شرف سے مشرف نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ ہر کام میں للّٰہیت، نیستی، خلوص و بے ریائی اور خدا طلبی اگر پائی جاتی ہے تو صرف ملت مہدویہ میں ہی۔ باقی ہر جگہ ہر کام بغیر معاوضہ کے ناممکن اور محال ہے۔ پس جن لوگوں میں یہ بات پائی جائیگی

وہی اہلِ سنت والجماعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ کیونکہ اصحاب رسولؐ کا عمل للّٰہیت اور خلوص پر مبنی تھا۔ اِس سے ہٹ کر جو لوگ معاوضے کر عمل کرتے ہیں وہ رحمت خداوندی سے دور متصور ہونگے۔ مثلاً زید یا بکر امام بن کر جب نماز باجماعت کی نیت کرتا ہے اور خدا کے سامنے کھڑے ہوکر یہ کہتا ہے کہ "نویت ان اصلی للّٰہ تعالیٰ یعنی نیت کرتا ہوں میں کہ نماز پڑھوں اللہ کے واسطے"۔ مگر اس کی نماز ہے دراصل اُجرت یا تنخواہ کیلئے تو خلوص اور للّٰہیت کہاں رہی، اگر کہا جائے کہ ان الفاظ کا ادا کرنا ضروری اور لازمی نہیں ہے دل کی نیت کافی ہے تو ہم پوچھتے ہیں دل کی نیت کا تعلق اللہ واسطے سے ہے یا نہیں ؟ کیا اس نیت میں ریا کاری اور دنیا سازی ہے؟ اور اگر ہے تو ایسے دل کا مالک مسلمانی سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ اگر دل میں یہی ہے تو اور بھی بدترین بات ہے۔ بہرحال ایک مومن کے دل میں خدا طلبی اور للّٰہیت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر یہ اقرار کرنا اُصلّی للّٰہ تعالیٰ میں نماز پڑھتا ہوں اللہ کے واسطے مگر نماز پڑھنا غیر اللہ کے لئے، یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے امام اور مقتدیوں کی نماز کیسے درست ہوسکتی ہے؟ بلکہ ایسی نماز تو لپلپا کر منہ پر مار دی جائے گی کہ اس میں منافقت کی بو آرہی ہے اور اس میں ریاکاری اور دنیا سازی کے سوا اور کوئی بات نہیں۔ رہی یہ بات کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین رضؓ کو اور دیگر صحابہؓ اور مساکین قرآن پڑھانے والوں، مساجد کی امامت اور موذنی کرنے والوں کو جو مشاہرے ملا کرتے تھے وہ بیت المال سے تقسیم ہونیوالی رقم سے بقدر اُن کے حصوں کے ہوا کرتے تھے۔ اُن کی نوعیت کسی خدمت کے معاوضہ میں

ماہوار کی نہیں تھی جیسی کہ آگے چل کر ہوگئی حالانکہ مذکورہ بالا کاموں کے معاوضہ میں تنخواہ مقرر کرنا اور اُس کا دینا لینا حرام ہونا معتبر کتب فقہ میں بخوبی مذکور ہے۔ (ملاحظہ ہو نورالہدایہ وغیرہ)۔

اس ایک امر کے علاوہ اور بہت سے اُمور ہم ایسے دیکھتے ہیں جو دیگر فرقہائے اسلامیہ میں خلاف سنت طریقے پر جاری ہوگئے ہیں۔ جنکا سنت سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا۔ خلافِ سنت نوافل نمازیں پڑھنا، صلوٰۃ التسبیح یا صلوٰۃ الفیہ کی ادائی شب برات اور شب معراج کا غیر ضروری اہتمام کرنا، نماز فجر اور نماز عشاء کے بعد مصافحہ کرنا۔ خطبۂ نکاح اور نماز جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھنا وردا وراد وظائف اور لمبی چوڑی تسبیحات و تہلیلات میں لگا رہنا، تعویذ طومار گنڈے پلیتے دینا چلّے کھینچنا۔ ذکر خفی کو چھوڑ کر ذکر اللہ کے خلاف سنت طریقہ جیسے ذکر جہری ذکر ارّہ وغیرہ اختیار کرنا۔ میت کے کھانے پر فاتحہ پڑھنا۔ گیارھویں اور بائیس رجب کی نیاز ہی بتخصیص کرنا۔ رسم چہارم قل اور سب لوگوں کا مل بیٹھ کر ایصال ثواب کیلئے اجتماعی طور پر قرآن پڑھ کر بخشنا اور اس کو ختم قرآن کہنا۔ میت کے ساتھ باآواز بلند یٰسین پڑھنا اس خیال سے کہ اُس کی روح بآسانی نکلے۔ قبروں پر چراغ جلانا۔ قبرستان میں حافظ قرآن کو قرآن خوانی کے لئے مقرر کرنا قبروں سے منت مانگنا۔ اِن پر چادریں چڑھانا وہاں عود اور لوبان جلانا۔ اولیاء کے عُرس کے پیشتر صندل نکالنا۔ قوالی کرنا۔ اعراس کا اہتمام۔ قبروں پر چراغی وصول کرنا اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو سب کی سب مطلق خلاف سنت ہیں، بلکہ سراپا رسم و بدعت ہیں۔ برخلاف اِس کے حضرت مہدی علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کے صدقے

؎ کلمہ پڑھنا مریض کے سرہانے باآواز بلند

سے اس فرقۂ ناجیہ میں اِن میں کی کوئی بات بھی رائج نہیں بلکہ حضرت
مہدی علیہ السلام نے بہت سی ایسی سنتوں کو رواج دیا ہے جو مُردہ
ہوچکی تھیں۔ جیسے صبح کی نماز اور عشاء کی نماز کے بعد مُصلیوں کو رخصت
کرتے وقت سلام کا پھیرنا جو رسول خداؐ کا دوامی معمول تھا۔ وضو
کے بعد بالالتزام دو رکعت تحیۃ الوضو کے ادا کرکے سجدہ میں جاکر دُعا
کرنا کہ حدیث سے ثابت ہے جس کا ذکر معجزۂ شق القمر وغیرہ کے ذکر
میں کتب معتبرۂ احادیث میں مرقوم ہے نیز کسی دینی کام کو اجتماعی طور
پر انجام دینے کی صورت میں چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہ ہونا اور نیچ
کا کوئی امتیاز نہ رہنا مساوات کی یہ عین اسلامی تعلیم جو مردہ ہوچکی
تھی حضرت مہدی علیہ السلام کے صدقہ سے پھر زندہ ہوگئی۔

رسول اللہ صلعم کا عمل مبارک تھا عصر سے مغرب تک اور فجر سے دن نکلنے
تک ذکر میں بیٹھ جاتے۔ گروہ مہدویہ کا یہ خاص عمل ہے۔ انھوں نے ان
دو اوقات کی حفاظت بطور فرض اپنے پر عاید کرلی ہے۔ تعویذ بلیتوں کے
برخلاف ہمارے پاس پسخوردہ کا عمل جو حدیث صحیح " سور المومنین
شفاء " کی تعمیل میں ہے اور بعضے موقعوں پر کوئی دعا پڑھ کر پھونکنا
جو امر مسنون ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کے جو خاص اعمال ولایت
ہیں اُن کو ملاحظہ فرمائیے وہ یہ ہیں:۔

آپ تمام عُمر دنیا سے کنارہ کش رہے اور دنیا کو مردار قرار
دیکر اُس کے طالب کو کتا کہا۔ توکل و تسلیم، صبر و رضا آپ کی مابہ
الامتیاز خصوصیات ہیں۔ آپؐ کے پاس دنیا کی کوئی جائداد نہیں تھی۔

ہمیشہ دولت کو سمیٹنے اور اس کو جمع کرنے سے محترز رہے، بلکہ صبح کا
کھانا شام تک اور شام کا کھانا صبح تک رکھنا آپ کو گوارا نہ تھا مال دنیا
سے کبھی کچھ آپ کے پاس جمع نہ رہتا۔ جس وقت جو کچھ آیا خرچ کر دیا گیا
چاہے گنج ہزار درہم و دینار کیوں نہ ہوں۔ مہمان نوازی اور مال کا فقراء میں
علی السویہ تقسیم کر دینا آپ کا اسوۂ خاص ہے۔ آنحضرتؑ ہمیشہ نفس سے
جہاد میں لگے رہے اور اُس کو جہاد اکبر قرار دیا یہ فرما کر کہ رجعنا من جھاد
الاصغر الی الجھاد الاکبر وھی مع النفس ہم جہاد اصغر سے جہاد
اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں اور وہ نفس سے لڑنا ہے۔ یہ جہاد کیا ہے؟
فقر و فاقہ برداشت کرنا، دشمنوں سے ایذاء و تکلیف سہنا، الوفات طبعی سے
اجتناب اور خواہشات نفس سے باز رہنا کہ یہ تمام باتیں ترک دنیا کے
بعد ہی حاصل ہو سکتی ہیں اِس طرح یہ تمام اُمور جو ذکر کئے گئے ہیں آنحضرت
کے خاص الخاص اعمال باطنی ہیں۔ گروہ مہدویہ میں اِن اُمور متعلقہ بہ ولایت
پر عمل اس شدومد سے آج تک جاری و ساری ہے کہ ترک دنیا، توکل،
وغیرہ جو فرائض ولایت میں بحکم حضرت مہدی اُصول و فرائض طریقت قرار
پاکر اُصول و فرائض شریعت کے مانند واجب التعمیل قرار پائے ہیں۔
اس تمام توضیح سے یہ بات اچھی طرح ناظرین کے ذہن نشین ہوگئی
ہوگی کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت صرف حضرت مہدی علیہ السلام
کا گروہ پرشکوہ ہے، کوئی اور فرقہ ہرگز نہیں +

بعثت مہدیؑ

حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی بہت مشہور ہے کیف تھلک امتی انا فی اولھا وعیسیٰ ابن مریم فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا۔ ترجمہ: میری اُمت کیسے ہلاک ہوگی، جبکہ میں اس کے اول حصّہ میں ہوں اور عیسیٰ ابن مریم اُس کے آخر حصّہ میں ہیں اور مہدی جو میری اہلِ بیت سے ہیں اس کے درمیانی حصّہ میں ہیں۔ اس حدیث شریف سے حضرت مہدی علیہ السلام کا منصب گرامی معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کی ذات بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُمت محمدیہؐ کو ہلاکت سے بچانے والی ہوگی۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کی ضرورت کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے لولم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللّٰہ ذالك الیوم حتّٰی یبعث رجلاً من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی۔ ترجمہ: اگر دنیا ختم ہونے کا ایک دن بھی باقی رہ جائیگا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا دراز کریگا کہ میرے اہلِ بیت سے ایک شخص مبعوث ہو جائے۔ اس کا نام میرے نام اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔ یہ حدیث زرین عبد اللہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

نیز آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

عن سعید بن المسیب قال کنا عند امّ سلمۃ فتذاکرنا المھدی فقالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المھدی من ولد فاطمہ (ابن ماجہ) ترجمہ:
سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ ہم اُمّ سلمہ کے پاس حاضر تھے۔ ہم نے امام مہدی کا تذکرہ کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہونگے۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ آپ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد میں ہوں گے یہ حدیث حضرت سید محمد جونپوریؑ کے موافق حال ہے کیونکہ آپ نسلاً سید فاطمی تھے۔

تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ انبیاؑ خطا سے معصوم ہیں خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مَا ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ (سورۂ والنجم) ہے یعنی محمد اپنی طرف سے نہیں بولتے، وہی بولتے ہیں جو ان کو وحی کی جاتی ہے۔

اسی طرح چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام دافع ہلاکت اُمت ہیں۔ اس لئے آپ کی دعوت بھی خطا سے پاک ہوگی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المھدی منّی یقفو اثری ولا یخطی" مہدی مجھ سے ہے میرے قدم بہ قدم چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔ اس حدیث سے مہدیؑ کی ایک خاص علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قول و فعل و حال میں پوری پوری پیروی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور آپ کہم خلق

رسول ؑ بھی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا "خلقہ خلقی اس کے اخلاق میرے اخلاق کے مانند ہوں گے"۔ اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ آپ مانند انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناسخ ادیان سابقہ ہیں، اسی طرح حضرت مہدیؑ علیہ السلام بھی ناسخ مذاہب ہیں ائمہ اربعہ وغیرہ میں اگر کسی مسئلہ پر اختلاف ہو تو امام مہدیؑ علیہ السلام کا ارشاد جس مسئلہ کی صحت کے متعلق ہوگا اسی پر عمل واجب ہوگا اس لئے کہ آپ کا عمل عین سنت اور آپ کا قول عین ارشاد ربانی کی بنا پر ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی خلافت پر بھی فائز ہیں جیسے کہ اس حدیث شریف سے واضح ہے عن ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الرایات السود جاءت من قبل الخراسان فأتوھا ولو حبوا علی الثلج فان فیھا خلیفۃ اللہ المہدی (احمد) ترجمہ ثوبانؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آ رہے ہیں تو ان میں شامل ہو جانا اگرچہ کہ برف کے اوپر گھٹنوں کے بل چلنا ہی کیوں نہ پڑے۔ کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مہدیؑ ہوگا"۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال خشینا ان یکون بعد نبینا حدث فسألنا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فی امتی المہدی یخرج و یعیش خمساً

او سبعاً او تسعاً زید ن الشاک۔ قال قلنا وماذاک۔ قال ستین قال فیجئ الیہ الرجل فیقول یا مہدی اعطنی اعطنی قال فیحثی لہٗ فی ثوبہٖ ما استطاع ان یحملہٗ (ترمذی)

ترجمہ:۔ ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وقوع حوادث کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپؐ کے بعد کیا ہوگا ؟ آپ نے فرمایا "میری امت میں مہدی ہوگا جو پانچ یا سات یا نو تک حکومت کریگا" (زید راوی حدیث کو ٹھیک مدت میں شک ہے) میں نے پوچھا اس عدد سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا "سال"۔ ان کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ایک شخص ان سے سوال کریگا اور کہے گا اے مہدی مجھ کو کچھ دیجئے مجھ کو کچھ دیجئے۔ یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی ہاتھ بھر بھر کر اس کو اتنا مال دیدیں گے جتنا اس سے اٹھ سکیگا۔

ناظرین! مہدی موعودؑ کے بارے میں جو کثیر احادیث وارد ہوئے ہیں ان میں سے صرف چند حدیثیں اوپر لکھی گئی ہیں یہ تمام حدیثیں اہل سنت والجماعت کے پاس معتبر ہیں۔ ان حدیثوں سے مہدیؑ کا منصب، آپ کا فاطمہؓ کی اولاد سے ہونا، آپ کا نام محمد ہونا اور آپ کے والد کا نام عبداللہ ہونا، آپ کا خطا سے معصوم ہونا اور اخلاقِ رسولؐ پر فائز ہونا، آپ کا خراساں میں نمودار ہونا۔ آپ کا خلیفۃ اللہ ہونا۔ آپ کی مدت خلافت آپ کی عطا وغیرہ امور کا بیان ہوا ہے اور یہ سب کی سب باتیں حضرت سید محمدؐ جونپوریؑ پر پوری پوری صادق آتی ہیں۔ آپ سید صحیح النسب ہیں۔ آپ کا اسم گرامی سید محمد اور آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک سید عبداللہ

ہے۔ آپ کے اخلاق بعینہٖ رسول اللہؐ کے اخلاق تھے۔ وہی دنیا سے بیزاری تھی۔ وہی توکل تھا وہی جفاکشی اور اولوالعزمی تھی اور وہی مجاہدانہ روش تھی کہ اپنے مقصد کی تکمیل اور خدا کا پیغام دنیا والوں تک پہونچانے کیلئے آپ نے دس ہزار میل کا سفر کیا اور تمام صعوبتیں اور مصیبتیں برداشت کیں۔ علمائے سوء اور بادشاہان دنیا پرست کی سخت مخالفت اور دشمنی کے باوجود اپنے کام میں لگے رہے۔ اسی عالم میں ہندوستان سے ہجرت فرماکر خراسان تشریف لیگئے۔ اس علاقہ میں آپ کی دعوت خوب پھیلی۔ بڑے بڑے علماء اور امراء اور بے شمار اشخاص نے آپ سے بیعت کی اور طالب مولیٰ بن گئے۔ آپکا وصال بھی اسی علاقہ میں ہوا اور مزار مبارک بھی اسی نواح میں ہے۔ پس حدیث میں آپ کے خراسان میں نمودار ہونے کے متعلق جو پیشین گوئی ہے وہ آپ پر پوری ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا خلیفۃ اللہ ہونا بیان کرکے اس بات کی اہمیت اپنی اُمت کو جتلائی ہے کہ آپ کے ظاہر ہونے کے بعد آپ سے بیعت کرنا ضروری ہے۔ چاہے آپ کے پاس پہونچنے میں زحمت ہی کیوں نہ ہو، جیسے برف پر گھٹنوں کے بل چلنا، مہدی خلیفۃ اللہ کی جماعت میں شامل ہونا ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔

آپ کی مدت خلافت کا ذکر حدیث میں پانچ، سات یا نو، سال کا عدد بیان کرکے کیا گیا ہے۔ یہ بیان کردہ مدت بھی امامناؑ کے حال کے مطابق ہے۔ مثلاً یہ کہ آپؑ مکہ معظمہ میں سنہ ۹۰۱ ہجری کے آخر میں یعنی حج کے بعد اظہار مہدیت فرمایا اور ذی قعدہ سنہ ۹۱۰ھ میں رحلت فرمائی۔ اسی طرح آپ کا نو سال کی مدت تک دعویٰ کے بعد

حیات رہنا ثابت ہے۔ پھر آپ نے ۹۰۳ھ میں احمد آباد میں بمقام بڑلی
دعویٰ موکد فرمایا۔ اس طرح ان دعوؤں کے سات یا پانچ سال بعد
تک آپ حیات رہے۔ بہرحال یہ حدیث حضرت امامنا علیہ السلام کے
احوال سے مطابقت تام رکھتی ہے۔ اسی حدیث میں مہدی علیہ السلام کی عطاء و
سخاوت کا ذکر بھی ہے۔ چنانچہ عطائے ظاہری کا حال ذیل کی نقل سے
معلوم ہو جائے گا جو آپ کی سوانح عمری میں درج ہے۔

"روایت کردہ شدہ است چونکہ حضرت امام مہدی علیہ
السلام در شہر مانڈو فرد شدند روزی فتوح ایں چنیں آمد
کہ ہر دو دست پُر کردہ از تنکہا درماں را دادند بعد ازاں
در شہر غلو شدہ ہمہ آمدند و سوال می کردند ہمہ کس را دادند
فاما ہیچ کس محروم نہ ماند بعدہ یک دف زن آمدہ
عرض کرد کہ چیزے ما را ہم بدہید اور ایک تسبیح مروارید
کہ قیمتش چند ہزار تنکہ کہنہ بود بوے دادند"

(صفحہ ۸ حجت المنصفین مطبوعہ)

ترجمہ:- مروی ہے کہ جب حضرت امام مہدی علیہ السلام نے شہر
مانڈو میں اقامت کی تو ایک روز فتوح اس قدر ہوئی کہ (حضرت مہدی ؑ)
نے دونوں ہاتھوں میں سونے کے سکے بھر بھر کر لوگوں کو دیئے۔ اس کے بعد
شہر میں غل مچ گیا۔ اہلیان شہر آتے اور سوال کرتے (آپ) سب اشخاص
کو دیتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص محروم نہ رہا۔ (اتنے میں) ایک دف
زن نے آکر عرض کیا کہ ہم کو بھی کوئی چیز دیجئے تو اس کو مروارید کی ایک تسبیح
جس کی قیمت کئی ہزار تنکہ کہنہ تھی دیدی۔

لیکن حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کی غرض عطائے باطنی تھی اسی لئے جب حضرت مہدی علیہ السلام طالبانِ مولیٰ کو دیکھتے تو اُنہیں فیضانِ ولایتِ محمدیؐ سے بہرہ یاب کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ نظام رضی اللہ عنہ، کے حالات میں مذکور ہے کہ جب آپؓ چاپانیر آئے تو خبر ملی کہ حضرت میاں سید محمد ولی کامل (یہاں موجود) ہیں۔ پس آپ جلدی سے آنحضرتؑ کی خدمت میں گئے۔ جب قریب پہنچے تو آنحضرتؑ کو خدا تعالیٰ کی درگاہ سے فرمان پہونچا کہ ہمارا بندہ آتا ہے اس کا استقبال کر۔ اس فرمان کے ساتھ ہی حضرت مہدی علیہ السلام، شاہ نظامؓ کے استقبال کیلئے تنہا روانہ ہوئے۔ جب بندگی میاں نظامؓ اِمامؑ کی نظرِ مبارک میں منظور ہوئے تو آپ نے یہ بیت پڑھی

صورتِ زیبائے ظاہر ہیچ نیست

اے برادر سیرتِ زیبا بیار

پس امام ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں نظامؓ تم خدا کا ذکر کرتے ہو۔ عرض کیا اسی ارادے سے مرید ہونے کے لئے آیا ہوں۔

پس حضرت تلقین بذکرِ حق کردند در ہماں دم بندگی میاں نظامؓ را جذبہ حق شدہ ہیچ ہوش در وجود شریف نماند میراں علیہ السلام فرمودند بندہ از شمع ولایت مصطفےٰ روشن گردائیدہ (است) (صفحہ ۲۴ مولود مطبوعہ)

ترجمہ:۔ پس حضرت نے (شاہ نظامؓ) کو ذکرِ حق تلقین کیا۔

اسی دم بندگی میاں نظام رض پر جذبہ حق (طاری) ہوگیا (اور) آپ کے
وجود شریف میں کچھ ہوش نہ رہا ــــــــ میراں علیہ السلام نے
فرمایا ــــــــ بندہ نے ولایت مصطفےٰ کی شمع سے (شاہ نظام رض
کی شمع ولایت کو) روشن کردیا۔

پس آپ کی جود وسخاوت ظاہر و باطن دونوں پر مشتمل ہے فیضان
ولایت محمدی کو آپ نے بے دریغ تقسیم کیا ہے کہ ہزاروں آدمی اس
سے مستفید ہوئے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔
کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرضی عنہ ساکن السماء
وساکن الارض لا تدع السماء من اقطارها شیئاً الا
ولا تدع الارض من نباتها شیئاً الا اخرجتہ حتی یتمنی
الاحیاء الاموات ان یکون امواتهم احیاء (ترجمہ) نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اس (مہدی) سے اہل آسمان و زمین سب راضی ہوں
گے آسمان اپنی بوندوں کو کچھ نہ چھوڑیگا۔ مگر یہ کہ سب برسادیگا اور
زمین اپنی بوٹیوں سے کچھ (اُٹھا) نہ رکھے گی مگر یہ کہ باہر کردیگی یہانتک
کہ زندہ لوگ اپنے مردوں کی تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی زندہ ہوتے
اور فائدہ حاصل کرتے۔ اس حدیث کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ مہدی ع
کے زمانے میں بارش من مانے برسے گی اور زمین سے سب غلہ نکلیگا
اور لوگ پیٹ بھر کر کھائیں گے تو ایسی تاویل نص قرآنی اور سنت الٰہی
اور احوال انبیاء و اولیاء کے مخالف ہے کیونکہ انبیاء کی بعثت خواہشاتِ
نفسانی کو حاصل کرانے نہیں ہوئی ہے بلکہ لوگوں کو اشتغال دنیا و
لذات دنیا سے چھڑانے کیلئے ہوئی ہے اور خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وما ارسلنا فی قریۃ من نبیٍّ الّا اخذنا اھلھا بالباساء والضرّاء لعلھم یضرّعون ترجمہ:۔ نہیں بھیجا ہم نے کسی قریئے میں کوئی نبی مگر یہ کہ اہل قریہ کو مبتلائے سختی و مصیبت بھی کیا تاکہ یہ لوگ ہمارے حضور میں گڑگڑائیں۔ پس مہدی علیہ السّلام کو بھیجنے میں بھی خدا کی حکمت یہی ہے کہ لوگ آپ کے واسطہ سے توحید اور معرفت کو حاصل کریں۔ اِس لئے اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تمام فرشتے اور مومنین اس سے راضی ہونگے اور آسمان سے زمین پر رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور تمام قابلوں کے دلوں پر فیض الٰہی پورا برسے گا اور اس فیض کے باعث جو کچھ کہ مومنوں کے دلوں میں توحید و معرفت و اسرار و محبت ہے سب ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ زندہ لوگ اپنے مُردوں کی تمنا کریں گے کہ کاش یہ بھی مہدیؑ کے زمانے میں ہوتے اور ان کو بھی اسی طرح فیض الٰہی پہونچتا"۔ یہ بات حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے میں پوری ہو چکی ہے۔ آپ نے بے دریغ فیض الٰہی کو تقسیم کیا ہے۔ اور اسرار و معرفت کے دریا بہا کر تمام تشنہ لبوں کو سیراب کر دیا۔

ناظرین! آپ نے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث پاک سے معلوم کر لیا ہوگا کہ اُمت محمدیہ میں مہدی کا آنا ضروری تھا اور مہدی کے لئے چند علامتیں بھی تھیں۔ اِن سب علامتوں کے ساتھ سیدنا سید محمد جونپوری منصب ہدایت پر اللہ کی طرف سے فائز ہو کر دسویں صدی ہجری میں تشریف لائے اور خلق اللہ کو اللہ کی محبت اور اسی کے ذکر کی تعلیم دی۔ ہزارہا بندگان خدا نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کی تعلیم پر چل کر خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے

آج بھی جو آپ کی تعلیم پر عمل کرتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی بہت سے لوگ آپ کی تصدیق سے بے بہرہ اور ایمانِ حقیقی سے کوسوں دور ہیں۔ یہ لوگ ایک ایسے مہدی کے منتظر ہیں جو بادشاہ ہو اور مسلمانوں کو پھر سیاسی اقتدار عطا کرے اور اہل اسلام بے غل و غش، عیش و عشرت میں ڈوبے رہیں اور دولت انبار در انبار ان کے پاس جمع ہو جائے وہ اپنے خیال کی تائید میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں دار قطنی طبرانی ابونعیم حاکم وغیرہ محدثین نے ابن مسعود سے روایت کی ہے وہ حدیث یہ ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتذھب الدنیا حتی یبعث اللہ رجلاً من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی فیملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً

ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ختم نہ ہوگی دنیا جب تک اللہ تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث نہ کرے جس کا نام میرے نام اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسی کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔"

وہ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مہدی کے زمانے میں پوری زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی اور مہدی روئے زمین کا بادشاہ ہوگا اور تمام مخلوق مہدی پر ایمان لائے گی لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تینوں باتیں سنت الٰہی کے خلاف ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار ـــ

پیغمبروں میں سوائے داؤد اور سلیمان علیہما السلام تمام پیغمبر بجائے
بادشاہ ہونے کے ایسے ہی فقیر تھے جیسے کہ خود حضرت سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم فقیر تھے اور فرمایا کہ "الفقر فخری" دراصل داعیٔ حق
کا بجائے بادشاہ یا مقتدر اعلیٰ ہونے کے فقیر اور مسکین ہونا خلق
اللہ کی آزمائش کے لیئے ہے تاکہ یہ دیکھا جائے مخلوق ایسے شخص
کو حق جان کر قبول بھی کرتی ہے یا نہیں ورنہ اقتدار حاصل ہونے کی
صورت میں لوگ خود بخود خوف سے ایسے شخص کے دعویٰ کو قبول کر
لیں گے" ایسے مدعی کے تو صرف اخلاق و عادات اس کے صفات
حسنہ ہی اس کے قول کی تائید کے لئے دیکھے جاتے ہیں بمصداق آفتاب
آمد دلیل آفتاب" ہمارے مہدی علیہ السلام کے تو اخلاق پیغمبری مشہور
ہیں جن کا اعتراف آپ کے دشمنوں اور مخالفوں نے بھی کیا ہے۔
بادشاہت تو وہ چیز ہے جس کو لینے سے خود حضرت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا ہے یہ بات حضرت ابن عمرؓ کی روایت
سے ثابت ہے جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نبی بن کر رہنا چاہتے
ہو یا نبی اور بادشاہ تو آپ نے جبرئیلؑ کے اشارے پر تواضع کو اختیار
کیا اور بادشاہ بن کر رہنے سے انکار کر دیا آپ فرماتے ہیں "اگر میں
بادشاہ بن کر رہنا چاہتا تو تمام پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلتے۔
پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بادشاہت سے
انکار کر دیا تو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے خطا پیروی
لازم ہو وہ دنیاوی بادشاہت اور حکومت کیسے قبول کر سکتے ہیں۔
حدیث مذکورہ سے بادشاہت کا نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ الخ۔

یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰ میں رسول اللہ کے متعلق "رئیس ھذا العالم" کہا گیا ہے۔ اس کے باوجود آپ دنیا کے بادشاہ نہیں ہوئے۔ اور عیسائیوں کو آج تک ایک ایسے نبی آخر الزماں کا انتظار ہے جو تمام دنیا کا رئیس اور بادشاہ ہو جائے، پس اسلامی فرقے بھی جو مہدیؑ کے متعلق بادشاہت کا خیال رکھتے ہیں اپنے اس خیال میں ان عیسائیوں کے ہی متبع ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً وعدلاً تم میں ابن مریم حکم اور عدل بن نازل ہونگے۔ یہاں تو عیسیٰ علیہ السلام کیلئے صاف بادشاہت اور حکومت کی جانب اشارہ ہے مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو کسی مسلمان کو بھی آج تک ان کے متعلق یہ خیال نہیں ہے کہ وہ بادشاہ ہوں گے، بلکہ توریت میں تو عیسیٰ کے بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی موجود ہے۔ جسکی بناء پر بعض یہودیوں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ توریت کی پیشین گوئی کے موافق آپ بادشاہ کہاں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری بادشاہت روحانی ہے۔ پس حضرت مہدی علیہ السلام کی بادشاہت بھی مثل انبیائے کرامؑ کے روحانی ہے جن لوگوں کو ایک ایسے مہدیؑ کا انتظار ہے جو بادشاہ ہو، وہ یقیناً ان یہودیوں کے ہی مانند ہیں جو ایک ایسے مسیح اور پیغمبر کے منتظر ہیں جو بادشاہ ہو۔ رہا حضرت مہدی علیہ السلام کا تمام دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینا اس سے مراد آپ کی تعلیم اور وہ احکام ہیں جو آپ نے خلق اللہ پر فرض کئے ہیں جن کی تعمیل ہی عمل کرنیوالے کی ذات

پر عدل و انصاف حقیقی ہے ورنہ پوری دنیا کا عدل و انصاف سے بھر جانا خلاف واقعہ ہے اور نہ یہ بات احاطۂ امکان عقلی میں آسکتی ہے جیسا کہ خود رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا کہ یمحی اللہ بی الکفر میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو میٹ دیگا۔ اس کے باوجود بھی آپ کے زمانے سے لیکر آج تک کفر دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہے اور اسی حالت میں موجود ہے کہ اس کے غلبہ میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ رسول اللہ پر ایمان لائیں گے خدا ان کو ایمان عطا کرے گا، اور وہی مومن ہیں۔ ایسے ہی جو مہدی کی تصدیق سے مشرف ہوں گے حدیث قسط و عدل انہی پر صادق آئے جیسے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا اسی معنی میں ہے کہ جو آپ کو قبول کریگا وہی مستحق رحمت ہوگا ورنہ کفار اور فجار کے لئے نہ جہنم کا دروازہ بند ہوا نہ وہ بجھادی گئی پھر رحمۃ للعالمین کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد دنیوی تمام عذاب مثلاً قحط، وبا، آلیسی جنگیں وغیرہ سب ختم ہو جانا چاہیئے تھا مگر تیرہ چودہ سو سال سے آج تک ایسا ہوا ہی نہیں بلکہ آپسی جنگیں مسلمانوں میں بھی خوب خوب رہیں۔ پس یہاں رحمۃ للعالمین کے معنی جس طرح تاویل طلب ہیں ایسے ہی فیملاء الارض قسطاً و عدلاً کے معنی بھی تاویل طلب ہیں۔

اب ہم یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں جو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے۔ اہل عرفان پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ عدل کے ایک معنی توحید کے ہیں، قسط سے وہ برابری مراد ہے جو ایک طالب حق الوہیت کے تخم پہ تخم چڑھانے کے باوجود شریعت حقہ کی پابندی کے پیش نظر

رکھا ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ہی اسرارِ معنوی
کے انکشاف کے لئے ہے۔ اس حال میں کہ کتاب سُنّت کے ظاہری
احکام پر پورا پورا عمل بھی رہے۔ دنیا جانتی ہے کہ جن لوگوں نے آپ
کے دستِ حق پرست پر بیعت کی انھوں نے دیدارِ حق کے منازل
کو جس شان کے ساتھ طے کرنا تھا کیا۔ لیکن شریعت سے بال برابر
انحراف انھوں نے نہیں کیا۔ یہی قسط و عدل حقیقی ہے اور انہی معنوں
میں آپ نے طالبانِ حق کے دل کی زمین کو قسط و عدل یعنی توحید و
معرفتِ الٰہی کے نور سے بھر دیا۔ اس طرح یہ حدیث آپ پر پوری پوری
صادق آتی ہے۔ البتہ جن کے دل دنیا کی محبت سے پُر ہیں وہ اِس
بات کو کبھی بھی پسند نہیں کرینگے۔ ان کو تو ایک ایسا مہدی چاہیئے' جو
ان پر دنیا کے عیش و طرب کا دروازہ کھولدے۔ زر و مال و دولت
کے ڈھیر اُن کے آگے لگا دے۔ ایسا کام نہ کسی نبیؑ نے کیا نہ مہدیؑ
سے ہوسکتا۔ مہدیؑ تو مانندِ انبیاءؑ کے خلق اللہ کو دنیا سے چھڑا کر اللہ
سے جوڑنے کیلئے آیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے مَا بُعِثَ الْاَنْبِیَاءُ
قَطُّ اِلَّا لِاِنْقِعَار الْخَلْقِ عَنِ الدُّنْیَا اِلَی الْمَوْلٰی
انبیاء علیہم السلام کی بعثت محض اِس لئے ہوتی ہے کہ وہ خلق کو دنیا
سے خدا کی طرف بُلائیں۔ چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام بھی مانندِ انبیاء
مامُور مِنَ اللہ ہیں اِس لئے وہ بھی یہی فرض انجام دیں گے۔ اور یہی
آپ کی صداقت کی بیّن دلیل ہے۔

اب توحید کی بات کو لیجئے محققین صوفیا کے پاس موحّد وہ ہے
جو خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی پر توکل نہ کرے (تنویر الابصار) ۔۔ اور

حضرت امام غزالیؒ نے توحید کی حقیقت کو بنائے توکل قرار دیکر اس کے چار درجے بیان کئے ہیں۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک کے سوا دوسرے کو دیکھے ہی نہیں اور سب کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی سمجھے۔ اس مشاہدے میں تفرقہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ صوفی لوگ اس درجہ کو فنا فی التوحید کہتے ہیں (کیمیائے سعادت رکن ۴ اصل ۶) جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

دوئی ہم سے رہے جانا تم عید اسے کہتے ہیں

پس ایک کے ہو جانا توحید اسے کہتے ہیں

پس حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی کہ آپ کی ذات خاتم الاولیاء ہے اس توحید کو اپنے متبعین پر توکل تمام فرض کر کے عملاً قائم فرما دیا ہے یہی قسط و عدل ہے اور یہی انصاف حقیقی کہ اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اِنْصَافٌ مشہور مقولہ ہے

تمام مخلوق کا مہدی علیہ السلام پر ایمان لانا خلاف نص قرآنی اور خلاف عقل ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ ترجمہ۔ اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر وہ جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے اور وہ ان کو اسی لئے پیدا کیا ہے و نیز فرمان خداوندی ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دیتا پس معلوم ہوا کہ تمام لوگوں کا ایک اُمّت ہو جانا منشاء خداوندی میں نہیں ہے ولایزالون مختلفین سے یہی بات ثابت ہے۔ مہدی علیہ السلام کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ پوری دنیا ان پر ایمان لے آئیگی سب لوگ مسلمان ہو جائینگے محض ایک خوش فہمی ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ طبیعتوں کا اختلاف

کبھی سب کو ایک امر پر متفق و متحد ہونے دیتا ہی نہیں نہ صداقت کے نور کو کذب کی ظلمت نے کبھی برداشت کیا نہ حق کی آواز کو باطل نے کبھی کان رکھ کر سنا ہے جو لوگ ساری دنیا کے لوگ مہدی علیہ السلام پر ایمان لانے کا خواب دیکھ رہے ہیں اُن کے لئے سوائے اِس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے اُن کی عقل ہی سلب کرلی ہے۔

اب ہم حضرت مہدی علیہ السلام کے دعوی کی صداقت میں اور ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کو ایک بزرگ نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اور لکھا ہے کہ سولہ کتابوں میں یہ حدیث مرقوم ہے جن میں سے چند یہ ہیں مشکوٰۃ شریف، مدارک، مشارق، زاہدی، بصائر تعنبیہ التحرز، سنن ابوداؤد، تاریخ طبری، سراج الحدیث، شرح مقاصد، اور وہ حدیث یہ ہے قال علیہ السّلام سیخرج من امتی مھدی علی راس مائۃ سنۃ تسعۃ منھم لغوی والعاشر موعود۔ اِس کا فارسی ترجمہ یہ پیش کیا ہے (بیروں آیند از امت من ہدایت کنندگان بر سر ہر صد سال نہ کس از ایشاں اخلاق و دہم وعدہ کردہ شدۂ خدائے تعالیٰ انتہیٰ۔) میری امت میں ہر سو سال کے آغاز پر ایک ہدایت کنندہ (مہدی) ہوگا تو ان میں ہمارے پسماندگوں سے لغوی مہدی ہیں اور دسواں مہدی موعود ہے جس کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے۔ وقال علیہ السلام ومن امن بہ فقد امن بی ومن کفر بہ فقد کفر بی کسیکہ بگرود بوے پس تحقیق بگروید بمن وکسیکہ انکار کرد اور اپس تحقیق انکار کرد مرا۔ جس نے

اسکی تصدیق کی اس نے مجھے قبول کیا اور جس نے اس کا انکار کیا۔ اس نے میرا انکار کیا۔ اور حدیث مذکورہ بالا میں جو نو مہدیوں کا ذکر ہے اُن کے نام اس کتاب میں مدت دعوت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے بھی حالت جذب میں اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس طرح حدیث کی پیشین گوئی ثابت ہوگئی۔

(۱) خواجہ حسن بصری رح	۵ روز
(۲) خواجہ جنید بغدادی رح	۲۰ روز
(۳) خواجہ عثمان مغربی رح	۱۰ روز
(۴) خواجہ عبداللہ حنفی رح	۱۵ روز
(۵) خواجہ محمد اعرابی رح	۱۲ روز
(۶) شیخ عیسیٰ رح	۱۵ روز
(۷) سید عبدالقادر رح	ایک ماہ
(۸) سید محمد گیسودراز رح	دو ماہ
(۹) خواجہ حسن نوری رح	۵ روز

پھر لکھتے ہیں در صدی دہم امام الہمام المنصور بہ دین الحق ہو المہدی الہادی سید محمد مہدی موعود خاتم الولایۃ المحمدیہ دعویٰ مصرتلع تام رسول اللہ نمودند۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے دسویں صدی کے آغاز پر اپنے مہدی موعود ہونے کا اعلان کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ پر ایمان لانے کو رسول اللہ ؐ نے خود پر ایمان لانا بیان کیا ہے اور آپ سے انکار کو خود اپنی ذات کا انکار کہا ہے، پس اہل فہم کو غور کرنا اور حضرت

مہدی علیہ السلام کے انکار سے اجتناب کرنا چاہیئے اسی میں ان کی سلامتی ہے۔

اب ایک بات اور رہ جاتی ہے وہ یہ کہ بعض اہل اسلام کا خیال ہے مہدیؑ اور عیسیٰ ایک زمانہ میں ہونگے، یہ خیال بھی بچند وجوہ غلط ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ بات اس حدیث صحیح کے خلاف ہے جس کو ہم نے اس مضمون کے آغاز میں درج کیا ہے یعنی کیف تھلک امتی انا فی اولها وعیسیٰ ابن مریم فی آخرها والمهدی من اهل بیتی فی وسطها۔ اس حدیث سے مہدی وسط امت میں ہونا اور مہدیؑ اور عیسیٰؑ کا الگ الگ زمانہیں ہونا معلوم ہو رہا ہے، مہدی علیہ السلام اللہ کے خلیفہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی نبی ہونیکی حیثیت سے خلافت الٰہی پر فائز ہیں یہ دونو ایک زمانہیں ہوں تو ان پر یہ حدیث صادق آئے گی اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الآخر منهما۔ جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے توان میں سے دوسرے کو قتل کردو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونو خلفاء اللہ کا ایک زمانے میں ظاہر ہونا بالکل محال ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا غلطی ہے

قرآن اور مہدیؑ

ایک بحث یہ بھی ہے کہ جب قرآن حکیم میں مہدیؑ کا نام نہیں ہے تو پھر آپ ایمان لانا کیسے ضروری ہو؟

معزز ناظرین! ایک پیغمبرؑ کے بعد دوسرے پیغمبرؑ کے آنیکی خبر دینے میں سنت اللہ یہ رہی ہے کہ یہ خبر اشارتاً دی جائے یعنی علانیہ اور صاف

صاف نہیں چنانچہ توریت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام صاف صاف درج نہیں اور نہ توریت و انجیل میں حضرت محمد رسول اللہ ؐ کے متعلق پیشین گوئی آپ کے نام کے ساتھ موجود ہے، چنانچہ چند پیشین گوئیاں یہ ہیں :-

آیت ۱ خدا سینا سے نکلا سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوا اس کے ہاتھ میں روشن شریعت ہے اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا (سفر التثنیہ اصحاح ۳۳ آیت ۲)

آیت ۲ میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُس سے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔ (کتاب استثنا باب ۱۸ درس ۱۹ توریت)

آیت ۳ اِن بادشاہوں کے زمانے میں آسمان کا خدا ایک سلطنت قائم کریگا جو ابد تک نابود نہ ہوگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضے میں نہ جائیگی وہ اِن سب مملکتوں کو پیس دے گی اور فنا کر دیگی اور وہی ابد تک قائم رہے گی (سفر دانیال اصحاح ۲ آیت ۴۴)

آیت ۴ میں تم سے بہت کلام نہ کرونگا اِس لئے کہ اِس جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں (انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰)

آیت ۵ اب اس دنیا پر حکم ہوتا ہے اب اس کا سردار نکال دیا جائے گا۔ (انجیل یوحنا باب ۱۲ آیت ۳۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں پیغمبر روانہ فرمائے لیکن اِن ہزاروں پیغمبروں کے نام قرآن مجید میں نہیں ہیں اِس کے باوجود اِن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ واضح ہو کہ حدیث نبی ؐ تفسیر قرآن ہے

اس لئے اگر کوئی امر حدیث سے ثابت نہ ہو تو اس کا قرآن میں ہونا ضروری ہے آنحضرت کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں فرماتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے بیان کرتے تھے مہدی علیہ السلام کے متعلق کثرت سے احادیث موجود ہیں اور ان کا شمار احادیث متواترۃ المعنی میں ہے جن کا انکار کفر ہے۔ تمام اسلامی فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ اس اُمت میں مہدی ضرور ہوگا پس ایسی مہتم بالشان ہستی کا ذکر قرآن میں نہ ہونا تعجب خیز امر ہے جبکہ قرآن میں دیگر بہت سی پیشین گوئیاں اور آنیوالے واقعات درج ہیں۔ اس لئے جبکہ حدیث متواتر المعنیٰ سے وجود مہدی ثابت ہے تو وہ لامحالہ قرآن میں ہوگا اگر قرآن میں نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت نے (نعوذباللہ) ایسی بات فرمائی ہے جو قرآن سے ثابت نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ قیاس باطل ہے اس لئے ذکر مہدی علیہ السلام قرآن مجید میں ہونا ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر انبیاء سابقین کی کتابوں میں موجود ہے۔ تفسیر کشف الحقائق میں یہی مرقوم ہے کہ اگرچہ مہدی کا نام قرآن میں صراحت کے ساتھ نہیں ہے لیکن ضمناً و کنایۃً مذکور ہے (مجمع الآیات) چنانچہ ہم ایک آیت پیش کرتے ہیں قولہ تعالیٰ ـــ افمن کان علیٰ بینۃٍ من ربہٖ ویتلوہ شاھدٌ منہ ومن قبلہٖ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃً اولٰئک یؤمنون بہٖ ومن یکفر بہٖ من الاحزاب فالنار موعدہ فلا تک فی مریۃٍ منہ انہ الحق من ربک ولٰکن اکثر الناس لا یؤمنون ۵

(سورۃ ہود)

ترجمہ: کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر ہو اور اس
کے خدا کے طرف سے ہو اور اس کے پہلے موسیٰؑ کی کتاب ہو کہ
وہ امام و رحمت ہے وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور
فرقوں سے جو اس کا انکار کریگا تو دوزخ اس کے وعدہ کی
جگہ ہے پس اے محمدؐ! تم اس سے شک میں نہ رہنا وہ
حق ہے اور تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے لیکن اکثر
لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔" یہاں جس شخص کا ذکر
کیا جارہا ہے وہ مہدی علیہ السلام کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔
کیونکہ لفظ بیّنہ کا استعمال قرآن میں صرف انبیاء اور خلفاء اللہؑ
ہی کے لئے ہوا ہے چنانچہ رسول اللہ کے متعلق ارشاد ہے ـــ
قل انی علی بینۃ من ربی وکذبتم بہ (الانعام) کہدے
(اے محمدؐ!) کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے بیّنہ پر ہوں اور تم نے
اس کو جھٹلایا اور سورۂ ہود میں جس میں زیر بحث آیت افمن کان
علی بینۃ الخ درج ہے۔ نوح علیہ السلام کے قصّے میں فرمایا
جارہا ہے قال یا قوم ارأیتم ان کنت علی بینۃ من ربی
کہا اے قوم دیکھا تم نے اگر ہوں میں بیّنہ پر اپنے رب کی طرف سے
(ملاحظہ ہو سورۂ ہود رکوع ۳) اور یہی بات شعیب اور صالح علیہما السلام
کے قصّوں میں بھی کہی گئی ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ بیّنہ پر مامور من اللہ
کے سوا دوسرا فائز نہیں ہو سکتا۔ پھر یتلوہ شاہد منہ سے مراد قرآن
مجید ہے کیونکہ اسکے بعد کی آیت ومن قبلہ کتاب موسیٰؑ کی مناسبت
سے یہاں قرآن ہی مراد ہونا ظاہر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن

مجید اس پر اس حیثیت سے گواہ ہوگا کہ اس کا قول و فعل و حال بالکل مطابق قرآن ہوگا۔ پھر اس آیت میں اس بیّنۃ پر ایمان لانے والوں کے ذکر کے ساتھ اس کا انکار کرنیوالوں کیلئے دوزخ کا وعدہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہ ہستی ایک اللہ کے خلیفہ ہی کی ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ مگر یہ اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خطاب کرکے خدائے تعالیٰ فرما رہا ہے فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ "اے محمد! تم اس کی طرف سے شک میں نہ رہنا وہ برحق ہے اور اپنے پروردگار کی طرف سے ہے فرمایئے"۔ اب رسول اللہ صلعم کے بعد حضرت مہدیؑ کے سوا وہ کون ہستی ہے جو حق کی طرف بلانے والی اور خدا کی طرف سے مامور ہو، اس لئے یہاں جس ہستی کا ذکر ہو رہا ہے وہ مہدی علیہ السلام ہی ہیں اگرچہ کہ آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی نزول عیسیٰ کے متعلق بھی ہے مگر یہاں بیّنہ سے مراد حضرت عیسیٰؑ کی ذات بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک تو آپ کا شمار انبیاء سابقین میں ہے، دوسرے آپ کی آمد و نزول مہدیؑ کے بعد زمانۂ آخر میں ہے۔ بیّنۃ کے مصداق اول حضرت مہدی علیہ السلام ہی ٹھہرے اور مصداق وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ، آپ کا قول و فعل و حال بالکل موافق قرآن تھا۔ آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کتاب و سنّت ہی کو پیش کیا ہے۔ اور اس پر جس شدّت سے آپ کا عمل رہا ہے، اس

کے معترف آپ کے مخالفین بھی ہیں یہاں تک کہ مولوی خیرالدین محمد صاحب نے جونپور نامہ میں یہ لکھدیا کہ "سید محمد اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور رسول مقبولؐ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ تھے"۔ اور مِن قَبلِہٖ کتابُ موسیٰ بھی آپ کے حسب حال ہے کیونکہ کعب احبارؓ کا قول ہے کہ بیشک میں پاتا ہوں مہدیؑ کو لکھا ہوا انبیاءؑ کی کتابوں میں اس کے حکم میں ظلم اور عیب نہیں ہے۔ اِس روایت کو امام ابوعبداللہ نعیم ابن حماد نے بیان کیا ہے (مجمع الآیات) پھر وَلٰکِنَّ اَکثَرَ النَّاسِ لَا یُؤمِنُونَ یعنے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائینگے سے حضرت مہدی علیہ السلام کی صداقت وحقانیت کھل کر سامنے آرہی ہے کیونکہ اکثر لوگوں نے آپ کو قبول نہیں کیا اور محض دنیا کی محبت اور نفس کی پیروی میں لاطائل حیلے بہانے تراش کر آپ کا انکار کر دیا۔

آیات قرآن میں نام مہدیؑ کے اشارتاً موجود ہونے کی ایک مثال یہ ہے قُل ھٰذِہٖ سَبِیلِی اَدعُوا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی۔ ترجمہ۔ "(اے محمدؐ!) کہدو، یہ میرا راستہ ہے میں بُلاتا ہوں خدا کی طرف بصیرت (دیدار) پر اور وہ بھی جو میری (کامل) پیروی کرے گا"۔

خدا تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس لئے مقرر کیا تھا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بصیرت پر بُلائیں۔ خدا کے دیدار کی دعوت ایک نہایت عظیم کام ہے۔ آنحضرت صلعم کا ہر ایک پیرو اِس

کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس دعوت کے لئے خدا کی جانب سے ماموریت ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرتؐ کی خدمت میں جبرئیل امینؑ حاضر ہوئے۔ اس وقت جبرئیلؑ نے ایک اجنبی عرب کی شکل اختیار کی تھی۔ آنحضرتؐ کی مجلس میں تمام صحابہؓ موجود تھے۔ جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کیا۔ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ پھر جبرئیلؑ نے پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ رسول اعظمؐ نے جواب دیا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ـــ (احسان یہ ہیکہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو حق تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس طرح عبادت کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے۔ چونکہ مومن کی زندگی کا ہر لمحہ اطاعتِ الٰہی کا تابع ہے اور اطاعتِ الٰہی میں عبادت ہے، اس زندگی کا ایک ایک عمل اس طرح ہونا چاہیئے کہ عمل کرنیوالا خدا کو دیکھتے ہوئے اپنے کاموں میں لگا ہوا رہے۔ اس کی تفصیل عہدِ رسالت میں نہیں ملتی کیونکہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ایسے میں اس تصوّر کی تعلیم دیجاتی تو ذہنی انتشار پیدا ہوجاتا اس لئے آنحضرت صلعم نے اُمت محمدیہ میں مہدیؑ کے آنے کی خبر دی تاکہ مہدیؑ تعلیماتِ احسان کو بیان کریں اور مکمل فرما دیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت رسالتمآب صلعم کو فرمادیا کہ اے محمدؐ! کہدو کہ خدا کی بصیرت کی دعوت میں دے رہا ہوں اور وہ بھی دے گا جو میری کامل اتباع کریگا اتباع تو ہر مومن پر فرض ہے لیکن اس اتباع میں خطا کا احتمال بھی ہے اسی لئے آنحضرتؐ نے حضرت

مہدی موعودؑ کے حق میں فرمایا کہ

اَلْمَهْدِیُّ مِنِّیْ یَقْفُوْا اَثَرِیْ وَلَا یُخْطِیْ

یعنے مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ کا متبع کامل ہونا حضرت مہدیؑ ہی کی شان ہے لہٰذا جہاں قرآن شریف کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام کا اشارہ موجود ہے۔ دراصل وہاں مہدی موعودؑ ہی کی ذات مراد ہے۔ ایسی ہی بعض آیتیں یہ ہیں ۔

قولہ تعالیٰ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ۔ ترجمہ۔ کہدو اے محمدؐ! کون سی شئے شہادت کے لحاظ سے بڑی ہے کہدو تمھارے اور میرے بیچ میں خدا گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف اس لئے وحی کیا گیا ہے کہ ڈراؤں میں تم کو اس کے ذریعہ اور وہ بھی ڈرائے گا جو میرے مقام اور رتبہ کو پہنچے۔

و نیز فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! اگر یہ اہل کتاب اس پر بھی تم سے حجت کریں۔ تو ان سے کہدو کہ میں تو فرمانبردار کر چکا ہوں اپنے آپ کو اللہ کا اور وہ بھی جو میرا تابع تام ہے۔ ان آیات میں مَن سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات ہی ہے۔ پس متعدد مقامات پر قرآن میں حضرت مہدی علیہ السلام کا ذکر اشارتاً موجود ہے۔ ایمان کا سرمہ لگا کر طلب حق کے ارادے سے کوئی طالب قرآن کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت بخوبی منکشف ہو جائیگی۔

ایک بات اور غور طلب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے جس تابع تام کے وجود کی خبر دی ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس تابع تام نے مہدی (ہدایت یافتہ) کا لقب پایا ہے۔ واللہ یہدی من یشاء۔ پس جس ہستی کا وجود قرآن شریف سے ثابت ہو رہا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا انکار قرآن کا انکار ہے اور قرآن کا انکار رسول اللہؐ کا انکار ہے اور رسول اللہؐ کا انکار خدا کا انکار ہے۔ فرمان حق تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ یعنے آج کے دن میں نے کامل کیا تمہارے لئے تمہارے دین کو، کے بیان میں بعضے عارفوں نے فرمایا ہے کہ اَلْیَوْمَ سے ہماری زندگی کا یہ دن مراد نہیں جو چوبیس گھنٹے کا ہے بلکہ اللہ کے پاس الیومؔ سے مراد ہمارے ہزار سال ہیں۔ کیونکہ اللہ کا دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ پس یہاں الیوم سے مراد نزول قرآن یا زمانۂ رسول اللہؐ سے لیکر ہزار سال تک کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ زمانۂ رسول اللہؐ سے لے کر پہلے ہزار سال میں دین کامل ہو جائے گا۔ دین سے مراد اسلام، ایمان اور احسان ہے۔ اسلام و ایمان کے مسائل رسول اللہؐ نے بیان کئے اور وہ کامل ہو گئے۔ احسان کے مسائل جو رہ گئے تھے وہ مہدیؑ نے بیان کئے اور دین اسطرح ایک ہزار سال کے اندر اندر کامل ہو گیا، اسی واسطے جس طرح رسول اللہؐ کو دین بوجہ شریعت کامل ہونے پر خدا کا حکم اصحابؓ کو یہ آیت سنانے کیلئے ہوا تھا، اسی طرح حضرت مہدیؑ کو بھی دین بوجہ طریقت کامل ہونے پر اصحابؓ کو یہ آیت

سنانے کے لئے حکم خدا ہوا۔ چنانچہ شواہد الولایت میں آیت مذکورہ کے تحت مرقوم ہے کہ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہؐ نے اپنے اصحابؓ کے حق میں اس آیت سے خطاب کیا تھا۔ فرمانِ خدا ہوتا ہے کہ "اے سید محمد! تو بھی اپنے اصحاب کے حق میں اِس آیت سے خطاب کر ـــــ" (شواہد الولایت باب ۲۸)

حضرت مہدیؑ اور بیانِ قرآن

گذشتہ اوراق میں ہم نے بیان کیا ہے کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت تعلیمات اِحسان کی تکمیل کے لئے ہے۔ اس لحاظ سے جو اُمور ولایت محمدیہ سے متعلق ہیں ان کا اظہار اور اسرار و معارف الٰہیہ کا انکشاف حضرت مہدیؑ سے متعلق ہوگا اور آپ آیات قرآن مجید کا مراد اللہ بیان فرمائیں گے۔ یہی بات قرآن مجید کی آیت ـــــ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ سے ثابت ہے یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر اس قرآن کا بیان ہمارے ذمہ ہے" یہ تو ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر کسی کے روبرو کلام نہیں کرتا۔ اِس لئے ایسے کام کیلئے اپنا خاص بندہ منتخب فرماتا ہے جو قرآنِ مجید کے مراد اللہ معنیٰ لوگوں کو سُنائے" یہ بندہ خلیفۂ خدا نظیر محمد مصطفےٰؐ سیدنا سید محمد مراد اللہؑ ہے۔

سیدنا مہدی علیہ السلام نے بھی علینا کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہوا ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ای بلسانِ المھدی ـــ پھر اس قرآن کا بیان مہدی کی زبان سے ہمارے

ذمے ہے۔ پس جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب قرآن کے الفاظ وحی کئے گئے اس کے مُراد اللہ تعالیٰ خدائے تعالیٰ کی بیواسطہ تعلیم سے حضرت مہدی علیہ السلام نے بیان کئے اور اس بیان کی وہ شان تھی کہ جس طرح رسول خدا کی زبان مُبارک سے آیات الٰہی سُن سُن کر لوگ از خود رفتہ ہو جاتے اور پکار اُٹھتے تھے کہ یہ بشر کا کلام نہیں اسی طرح مہدی علیہ السلام سے قرآن کا بیان سُن کر لوگ جھوم جھوم اُٹھتے بہت سے ترکِ دُنیا کر کے آپکے ساتھ ہو جاتے اور بہت سے وہ تھے جنھوں نے اپنی زندگی کی رفتار ہی بدل دی اور اپنی فاسقانہ وفاجرانہ روش کو چھوڑ کر عبادت اور بندگی کا راستہ اختیار کر لیا۔ چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق مُلا عبدالقادر بدایونی نے نجات الرشید میں لکھا ہے کہ "بندگان خدا کے دلوں میں میر مذکور کا تصرف اس درجہ تھا کہ بعض مشہور رہزن خونچکاں شمشیر کے ساتھ آکر آپ کی صحبت میں بیٹھے اور آپ کا بیان قرآن سُن کر آپ کے اصحاب میں داخل ہو گئے اور ولایت کے درجے کو پہونچے ان اصحاب کے زمرے سے کئی اہل اللہ اُٹھے ہیں۔ نیز۔ شبیر احمد مہندس پانی پتی نے اپنے مقالے " ایک مرد مجاہد" میں لکھا ہے کہ " سید محمد کے بیانِ قرآن کا یہ انداز تھا کہ سننے والے دنگ رہ جاتے اور ایسا محسوس ہوتا گویا ابھی ابھی قرآن عرش معلیٰ سے نازل ہو رہا ہے۔ آپ کا بیان ہر مذہب اور ہر ملت کے افراد کے لئے یکساں طور پر مؤثر اور جاذب تھا۔ سننے والے اپنے گناہوں سے تائب ہو کر صداقت کا راستہ اختیار کرتے اور اپنے پچھلے اعمال

سے تائب ہوکر از سرِ نو اسلام کو اپنا مذہب بناتے۔"

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، اسی طرح بیانِ قرآن حضرت مہدی علیہ السلام کو بطورِ اعجاز عطا ہوا تھا۔ جس نے دنیائے اسلام میں ایک ہل چل مچادی، اور تمام علماء و صوفیا کو عالمِ حیرت میں ڈالدیا۔ اگر کفارِ قریش آنحضرتؐ سے آیاتِ قرآن سننے سے عوام کو اس خوف سے روکتے تھے کہ کہیں وہ رسول اللہؐ کے گرویدہ نہ ہوجائیں تو یہاں بھی علماءِ سوء اور مشائخانِ بدخو مہدی علیہ السلام سے بیانِ قرآن سُننے سے لوگوں کو منع کرتے تھے یہ کہہ کر کہ سید محمدؐ جادوگر ہیں جو اُن کا بیان سنتا ہے آپے سے باہر ہوجاتا ہے اپنی سب سمجھ بوجھ کھو بیٹھتا ہے۔ ہرگز ان کا بیان مت سنو۔" یہی نہیں بلکہ آپ کا اخراج اسی بیانِ قرآن کی وجہ سے کئی جگہ سے کرایا گیا۔ چنانچہ جب سیدنا مہدی علیہ السلام نے حج بیت اللہ سے تشریف لانیکے بعد ۹۰۳ھ میں احمد آباد میں قیام فرمایا، یہاں آپ کے بیانِ قرآن کا غلغلہ بہت بلند ہوا اور لوگ جوق در جوق تصدیقِ مہدیؑ سے مشرف ہونے لگے۔ یہانتک کہ خود سلطان محمود بیگڑہ کے محل میں اسکی بہنیں اور اس کی بیٹی مصدق ہوگئیں تھیں۔ اسی طرح مصدق ہونیوالے امیروں کی تعداد بھی بڑھتی چلی جارہی تھی۔ یہ دیکھ کر دنیا پرست مُلّاؤں اور مشائخوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکی، ان کو خوف ہوا کہ اب ہماری عزت و ریاست رہنے کی نہیں۔ اس لئے انھوں نے چاپانیر جاکر سلطان محمود بیگڑہ سے عرض کیا کہ سید محمد حقائق بیان کرتے ہیں، جہاں حقائق بیان ہوتے ہیں۔

سلطان اور سلطنت کو نقصان پہنچتا ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ عرض کیا یہاں سے اخراج کا حکم ہو جائے۔ جب اخراج کا حکم لیکر سرکاری ملازمین بسرپرستی اعتماد خاں چاپانیر سے حضور مہدی علیہ السلام میں آئے تو آپ نے دریافت کیا کہ آخر اخراج کی وجہ کیا ہے۔؟ انھوں نے کہا علماء و مشائخین نے بادشاہ کو اس طرح سمجھایا ہے۔ آپ نے سن کر فرمایا یہ بیوقوف کیا جانیں کہ حقایق کس کو کہتے ہیں، حقایق بیان میں نہیں آتے۔ جو کچھ بیان میں آتا ہے شریعت ہے۔ اگر بندہ حقایق بیان کرے تو تم جل مروگے (موعود مہدیؑ) یہ ہے آپ کے عام بیان کی شان۔

مصنف انصاف نامہ لکھتے ہیں کہ عصر مغرب کے درمیان قرآن سننے کے بعد نماز مغرب پڑھ کر صحابہؓ اپنے اپنے حجروں میں جاتے وقت اس استغراق کی وجہ سے جو بیان قرآن سننے سے پیدا ہوتا تھا، بعض حضرات راستہ میں گرجاتے تھے، اور بعض حضرات عالم محویت میں اُن کو روندتے ہوئے گذرجاتے تھے نہ روندنے والوں کو یہ خبر کہ ہم کس کو اپنے پاؤں سے روند رہے ہیں اور نہ روندے جاتے والوں کو یہ خبر کہ ہم پر پاؤں رکھ کر کون جارہا ہے۔ یہ بھی فرہ مبارک پہنچنے سے پہلے کے بیان کا اثر تھا۔ پھر جب سیدین صالحین یعنی میراں سید محمود ثانی مہدیؓ اور میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ گجرات سے تشریف لائے اس وقت سے حضرت میراں علیہ السلام کے بیان مبارک کا نہج ہی بدل گیا۔ صحابہؓ کے اظہار مسرت پر کہ اس سے قبل کبھی ایسے اسرار و نکات و حقایق بیان نہیں ہوئے

تھے۔ آپ نے فرمایا "حالان بیان آگئے ہیں، اب کس کے لئے اُٹھا رکھوں"۔ سیدنا مہدی علیہ السلام کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے جب احمد آباد میں حضرت کے عام بیان کو جس کو آپ نے شریعت فرمایا علماء و مشائخ نے حقایق پر محمول کیا تو فرہ مبارک کا بیان جو ثم ان علینا بیانہ' کی پوری پوری شان رکھتا تھا۔ کلامِ خدا کے بطن در بطن مراد اللہ معنوں سے کس قدر معمور ہوگا (شرح عقیدہ سید خوندمیر رض)

مقصدِ عبادت

بندۂ مومن کی عبادت کا مقصد خداتعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ خداتعالیٰ خود فرماتا ہے قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین ٥ وبذلک امرت وانا اول المسلمین ٥ یعنے کہدے اے پیغمبر کہ میری نماز میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العلمین کے لئے ہے اور اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں، پس تقاضائے ایمان و اسلام یہی ہے کہ جو کچھ کیا جائے خدا کیلئے کیا جائے کسی اور غرض وغایت کے لئے نہیں۔ اگر عبادت سے مطلب کسی دنیاوی منفعت کا حصول یا شہرت و عزت کو پیدا کرنے کی خواہش ہے تو یہ تو بہت ہی بُری بات ہے مثلاً اس لئے عبادت کرنا کہ اس سے مجھے دنیا حاصل ہو اور میری گذر بسر کا ذریعہ بنے جیسے تنخواہ لیکر نماز پڑھانا یا قرآن اس لئے سکھنا

اور حفظ کرنا کہ لوگ دینی خدمت لیکر اس کا معاوضہ دیا کریں تو یہ عبادت خالص اللہ کے لئے نہوگی یا یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ لوگ مجھے عزت کی نظر سے دیکھیں اور پرہیزگار نیکوکار جانیں یا علم دین اس غرض سے حاصل کرنا کہ لوگ مجھے بڑا عالم اور مولوی سمجھیں، میری مسائل فہمی اور وعظ و بیان کی دنیا میں شہرت ہو اور مجھے پیشوائی اور مقتدائی حاصل ہو، اس قسم کی خواہشات کے ساتھ عبادت اور دینی کاموں کا تمام طلب دنیا ہی میں ہے اور ایسے شخص کے لئے کلام مجید میں یہ وعید ہے۔ من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا نوفّ الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولٰئک الذین لیس لھم فی الاٰخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون ۝

ترجمہ:- جو کوئی دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش چاہیں تو ہم اُن کو پورا بھر دیں گے۔ ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں اور وہ اس میں کچھ گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ اُن کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ سوائے آگ کے اور برباد گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا دنیا میں اور نیست و نابود ہونیوالا ہی تھا جو وہ کرتے تھے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ دکھاوے کی عبادت ہے اور ریا کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکِ اصغر فرمایا ہے کیونکہ ایسا شخص اللہ کی نہیں بلکہ غیر اللہ کی عبادت کر رہا ہے اور اس کو غیر اللہ سے ہی اجر و ثواب کے حصول کی اُمید ہے ایسا شخص یقینی طور پر مشرک ہے اور مشرک کے لئے عذابِ آخرت سے چھٹکارا محال ہے

ہمارے امام حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا فرمان بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص چلے، ریاضتیں، بھوک اور برہنگی برداشت کرتا ہے، اور اس کا مقصود غیر خدا یعنی دنیا ہوتا ہے تو اس کی جگہ دوزخ کی آگ ہے الخ (حاشیہ انصاف نامہ مطبوعہ ص۳۱) نیز کسی نے حضرت مہدی سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص فاقہ پر صبر نہیں کرسکتا تو کیا کرے، فرمایا کہ جاوے ٹکے دو ٹکے کا کسب کرے اگر ایک دن ایک ٹکے کا کسب کریگا تو دوسرے دن دو ٹکے کے کسب کی خواہش ہوگی۔ پھر فرمایا کہ شریعت میں کسب اور تجارت کرنے کی رخصت ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسب وتجارت کرنیوالے کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ عبادت کرسکے اور احکام کی پیروی اور ممنوعات سے پرہیز کرنے کی قوت ہو ایسا نہو کہ حرص وخیانت میں پڑجائے پھر فرمایا کہ اگر کاسب کے پیش نظر یہ بات نہ ہو تو اُس کے دل میں تفاخر وتکاثر گذرے گا اور صرف کھانے اور نفع کمانے میں لگ جائے گا بلکہ اگر کسب نہ کرے رات دن عبادت شریعت کے علم کی تعلیم، عزلت اور خلوت میں مشغول ہو اور ان تمام کاموں کی مراد دنیا ہو تو اسکی جگہ ہمیشہ کے لئے دوزخ ہوگی (حاشیہ مطبوعہ ص۴۳)

دیکھا آپ نے باوجود انتہائی سختی اور مشقت وریاضت کے بھی از روئے فرمان مہدیؑ ایسے شخص کو جس کا مقصد رضائے خداوندی کا حصول نہ ہو نجات نہیں ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔ بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو عبادت وریاضت کا شوق ہوتا ہے اور نماز بھی اچھی طرح ادا کرتے ہیں مگر ان کا مقصد جنت کا حصول

اور دوزخ سے نجات ہے، یہ لوگ اس جنّت کے طالب ہیں، جس
میں حور وغلمان اور شاندار محل ہونگے لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ جنّت
جس کے یہ طالب ہیں مخلوق اور فانی ہے اور دوسری جنّت جو دیدار
خدا کی ہے غیر مخلوق اور لافانی ہے، یہی حال دوزخ کا بھی ہے
ایک تو آگ اور عذاب کی دوزخ ہے جو مخلوق ہے اور اس کا عذاب
اس کے وجود تک ہے دوسری حق تعالیٰ (حقیقی) کے دیدار
قرب ووصال سے محرومی کی دوزخ ہے یعنے قرب الٰہی سے دوری
کی دوزخ ہے جو دوامی ہے یعنے تا ابد تکلیف دہ ہے اب مقام
غور ہے کہ مخلوق جنت کی طلب یا مخلوق دوزخ کے خوف سے عبادت
کرنا اشرف المخلوقات (انسان) کے لئے کیسے زیبا ہوگا، کیا اشرف
کیلئے ادنیٰ کی آرزو وتمنّا مناسب ہے؟ ہرگز نہیں ــــ

حکایت ـ ایک مرتبہ بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا
اپنی خلوت سے حالت محویت میں نکل آئیں اور ایک ہاتھ میں انگارہ
اور دوسرے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر دوڑنے لگیں، جب لوگوں
نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ بی بی یہ کیا ـــ؟ آپ نے
فرمایا "میں چاہتی ہوں کہ انگارے سے جنت کو جلا دوں اور پانی سے
جہنم کو بجھا دوں تاکہ لوگ جنّت کی تمنّا یا دوزخ کے خوف سے عبادت
نہ کریں بلکہ اللہ کی محبت وعشق میں عبادت کریں اور ڈریں بھی تو
اللہ کی ناراضی سے ڈریں اسی لئے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا اپنی مثنوی معنوی میں فرمایا ہے ؎

هشت جنت گر دهندت سر بسر ❊ تو مشو راضی از انها در گذر
عالی ہمّت باش ودل با حق ببند ❊ تو ہماے قاف قربی رو بلند

اِن اشعار کو امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی نورانی زبان سے پڑھا ہے اور آخر میں " رو بلند" کو تین مرتبہ ادا کیا ہے۔

بی بی رابعہ بصریؒ اور مولانا رومؒ تو جنّت کی تمنّا اور دوزخ کے خوف سے عبادت کو پسند نہیں کرتے، پھر حصولِ دنیا یا شہرت و ناموری کیلئے جو عبادت اور نیکی کی جائے وہ بھلا اِن پاکانِ حق کی نظر میں کیسے عبادت کا مرتبہ پا سکتی ہے حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ:۔ الجنة سجن الواصلین کما ان الدنیا سجن المومنین ۔۔۔ یعنے واصلان خدا کے لئے حور و قصور کی جنّت قید خانہ ہے جیسا کہ دنیا مومنوں کے لئے قید خانہ ہے۔ اِن تمام دلیلوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ دیدار الٰہی کی جنّت ہی انسان کا مقصود حقیقی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ۔۔۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آنکھوں میں ٹھنڈک اسی وقت آتی ہے جبکہ نورِ الٰہی کا سُرمہ لگایا جائے جس سے نماز میں دیدار نصیب ہو ورنہ کہاں کی ٹھنڈک حدیث میں ہے کہ الصلوٰۃ معراج المومنین ۔ یعنے نماز مومنین کی معراج ہے۔ معراج میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالٰی کا دیدار جو خصوصاً ہوا ہے، اس کے سوائے ہر نماز ہی میں آنحضرتؐ حالتِ دیدار میں رہتے تھے اسی لئے اسکی ترغیب ہر مومن کو دی گئی ہے پس ہر مومن بندے کو دیدار الٰہی ہونا ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ۔۔۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ' یراک ۔۔۔ یعنے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ کی عبادت

اس طرح کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا (یعنے وہ تجھے دیکھ سکتا ہے لیکن تو اس کو نہیں دیکھ سکتا) تو اس یقین کے ساتھ عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے، حضرت مہدی علیہ السلام کا فرمان بھی یہی ہے خدائے را دیدنی است باید دید یعنے خدائے تعالیٰ کو دیکھنا ہے دیکھنا ہی چاہیئے (حاشیہ شریف) سبحان اللہ وبحمدہ۔

توکّل تمام

ہر مقصد و مطلب کے پورا ہونے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا جو مومن کی صفت اللہ تعالیٰ کے فرمان وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم صادقین (ترجمہ) اور اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرو اگر ہو تم سچے" اور مانند ایسے دیگر آیات سے ثابت ہے، اس کے دو دو درجے ہیں ایک توکل خاص وتام یا توکل تمام دوسرا توکل عام۔ توکل خاص وتام وہ ہے کہ بندہ اللہ کی ذات کا طالب ہو اور اسی کو پانے کا کامل بھروسہ اسی کی ذات پر کرے اور شب و روز اس فکر میں رہے کہ کب ذاتِ خدا کو پاؤنگا اور توکل عام وہ ہے کہ رزق وغیرہ تمام اسباب معیشت کے بارے میں اللہ پر بھروسہ کیا رہے، اور جو چیز خود کو مقصود بالذات نہو اس کے لئے تدبیر ترود سے دست کش رہے، بانی اسلام حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک میں دیکھو کہ توکل کی کیا شان

ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ــــ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃ (احزاب رکوع ۱۹) ــــ

ترجمہ:۔ بتحقیق تمہارے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ دیکھ لیجئے آنحضرتؐ نے کہاں کہاں ملازمت کی اور کتنے زمانہ تک تجارت کرتے رہے۔ دعویٰ نبوت کے بعد نہ آپ نے ملازمت کی نہ تجارت اور نہ روزی کی طلب میں کوئی تدبیر بلکہ تمام انبیاء سابقین کا یہی حال تھا کہ جیسے ہی وہ منصب نبوّت پر فائز ہوتے دنیاوی کاروبار سے الگ ہوکر اور روزی و روزگار کے طریقوں کو ترک کرکے دعوت الی اللہ میں مصروف ہوجاتے اور ہمہ تن عبادت و اطاعت الٰہی کو اپنا شعار بنالیتے۔ اکثر اولیاء اللہ کی زندگیاں بھی ایسی ہی تھیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام جو اصحاب صفہ کے نام سے مشہور تھے انھوں نے بھی ملازمت کی نہ تجارت بلکہ اللہ کی ذات پر کامل توکل رکھ کر عبادت و اطاعت و ذکراللہ میں ہمیشہ مشغول و مصروف رہے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے راستہ میں ہمیشہ کے لئے وقف کردیا۔

حضرت مہدی علیہ السلام بھی تمام انبیاء سابقین کی طرح متوکل علی اللہ ہی رہے لیکن آنحضرتؐ کی خصوصیت یہ رہی کہ چونکہ آپ خلیفۃ اللہ ہوکر ولایت محمدیؐ کے اظہار کے منصب پر فائز ہونے والے تھے تمام عمر میں کبھی بھی کسب و تدبیر روزی کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور چونکہ آپ کے ذریعہ ترکِ دنیا اور طلب دیدار خدا کا زبان سے اقرار بھی آپ کے پیروؤں پر فرض ہوا۔ اس اقرار کے بعد

آپ کے پیروؤں کے لئے بھی کسب تدبیر روزی میں مشغولیت کی صورت باقی نہیں رہی، پس توکل علی اللہ بمعنی عام ہر مہدوی کے نزدیک مطلقاً فرض اور توکل خاص و تمام اصول دین از روئے طریقت سے ہے۔ **حکایت:** میرے ایک ملاقاتی عبدالرحیم صاحب جو عبدالکریم بابوخاں صاحب گتہ دار کے پاس ملازم تھے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سڑک بنانے کا کام جاری تھا اور وہ مزدوروں کی نگرانی کر رہے تھے راہ میں ایک بڑی چٹان آگئی جب اس کو توڑا گیا تو دیکھا کہ اس چٹان کے بیچ میں ایک مینڈک بیٹھا ہے اسی پتھر پر قدرت کے ہاتھوں نے پیالی کی طرح ایک چھوٹا سا گڑھا بنا دیا ہے، جس میں پانی بھی ہے دیکھا آپ نے قدرت کی کارسازی اور شان رزاقی کو کہ پتھر کی چٹان جس میں نہ ہوا جاتی ہے اور نہ روشنی و پانی مگر اللہ کی شان دیکھئے کہ ایسے مقام پر بھی غذا پہونچا کر اپنی مخلوق کو زندہ رکھتا ہے پس اگر انسان جو اشرف مخلوقات ہے خدا کی ربوبیت پر بھروسہ اور کامل یقین رکھے تو اس کی پرورش کیسے نہیں ہو سکتی۔ برابر ہو سکتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا "کوئی ایسا زمین پر چلنے والا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمّہ نہ ہو"۔ چنانچہ جنگلوں میں جہاں کوسوں پانی نہ ہو گرمی کا شدید موسم ہو وہاں بھی حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) زندہ رہتے ہیں۔ ایسے مقام پر بھی اللہ تعالیٰ ان جانداروں کو غذا پہنچا کر زندہ رکھتا ہے، اژدہے ہی کو دیکھئے جو اپنی جسامت کی وجہ سے آہستہ آہستہ زمین پر رینگتا ہے۔ پروردگار عالم اُس کی غذا اُس کے پاس ہی بھیجدیتا ہے۔ اِس

طرح کہ اکثر جانور دوڑ کر خود بخود اُس کے سامنے آکر اس کا لقمہ بن جاتے ہیں، ایک اور مثال سنیئے، اللہ تعالیٰ نے آگ میں بھی ایک جانور پیدا کیا ہے، جس کا نام سمندر ہے۔ رب العلمین کی قدرت کاملہ آگ میں بھی اُسے غذا پہنچا کر زندہ رکھتی ہے۔

پس قرآن حکیم کے اِرشاد کے بموجب انسان کیلئے خدا کی ذات پاک اور اسکی شانِ رزّاقی پر بھروسہ اور کامل یقین رکھنا فرض قطعی اور توکل علی اللہ، جو خاص ذات اللہ کو پانے میں ہو بموجب فرمانِ حضرت مہدیؑ اُصول عملی دین از روئے طریقت سے ہے۔

ترکِ دُنیا

توکل تمام بر ذات خدا کی طرح ترکِ دنیا بھی اُصول عملی دین از روئے طریقت سے اصل اوّل ہے جس کا زبان سے اقرار طلب دیدار خدا کے زبان سے اقرار کے ساتھ حضرت مہدی علیہ السلام کے واسطہ سے ہر مرد و زن پر فرض ہوا ہے اس کے ساتھ دیگر احکام اصول و فرائض طریقت بھی جو ولایتِ محمدیؐ سے تعلق رکھتے تھے نافذ ہوئے ہیں۔ ترکِ دنیا کا نام سنتے ہی عام طور پر لوگ حیران و پریشان ہو جاتے ہیں کیونکہ لفظ دنیا کی ماہیئت جانتے نہیں، اور تعصب والے لوگ تو یہ کہدیتے ہیں کہ ترکِ دنیا اسلام سے ہٹ کر ہے بلکہ رہبانیت ہے جو راہبوں اور جوگیوں کا طریقہ ہے اور کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے لَا رُہبانیۃ فی الاسلام (ترجمہ) اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، ایسا اعتراض محض ظلم و جہل

اور نادانی کی وجہ سے ہے۔ اعتراض کرنیوالے اسوۂ رسول صلعم اور اولیاء اللہ کی نورانی زندگیوں سے واقف ہیں اور نہ اُن کے آگے انبیاءؑ اور اولیاء کی پاک سیرتیں ہیں، رہبانیت کس کو کہتے ہیں اُن کو معلوم ہی نہیں، فطری خواہشوں کو کچلنے کا نام رہبانیت ہے لیکن ترکِ دنیا میں فطری خواہشوں کو ترک کرنا نہیں ہے، بلکہ اُن کی تکمیل سنّت رسولؐ کے مطابق جائز و روا ہے۔ تارکِ دنیا بیوی بچوں گھر بار سب میں رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ "الدنیا نفسک فاذا افنیتھا فلا دنیا لک"۔ دنیا تیرا نفس ہے جب تو نے اس کو فنا کر دیا تو تیرے لئے دنیا نہیں ہے۔ حضرت امامنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ ترکِ دنیا ترکِ خودی است۔ یعنے ترکِ دنیا ترکِ خودی ہے۔ یہاں بھی خودی سے مراد وہی نفس ہے جس کے فنا کرنے کا اشارہ حدیث مندرج بالا میں کیا گیا ہے نیز حضرت مہدیؑ کا ارشاد ہے کہ:

ترکِ دُنیا ترکِ وجود است

یعنے ترکِ دنیا اپنے وجود کو ترک کر دینا ہے۔ یہاں بھی وجود سے مراد وہی نفس ہے اسی کو پندار، انانیت، تکبّر اور غرور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دراصل ترکِ دنیا نفس کو فنا کرنا ہے لیکن نفس کو فنا کرنا کیا ہے ___؟ اس کو مالوفاتِ طبعی کی حرص اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے ناجائز اقدام سے روک دینا، اس طرح

ہے کہ اِس پر ان تمام دروازوں کو بند کردیا جائے جن کے کھلا رکھنے ہی میں اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل میں غلو اور حدِ اعتدال سے تجاوز مضمر ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نفس کی پیروی میں گامزن رہنا گویا اس کو ہی اپنا خدا بنالینا ہے۔ چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے اَرَأَیْتَ الَّذِی اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰہُ۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنالیا ہے۔ استغفراللہ مومن کو تو خدا کا بندہ بننا چاہیئے نہ کہ نفس یا خواہش نفس کا۔ ناجائز خواہشات تو ناجائز ہی ہیں لیکن جائز خواہشات کی تکمیل میں لگا رہنا ہی بعض وقت خداتعالیٰ سے غفلت کا سبب بنکر اس کی عبادت میں انہماک سے روک دیتا ہے۔ اِس لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی مذمت اور ترک دنیا کی فضیلت اِن الفاظ میں بیان کی ہے۔ حبُّ الدُّنیا رأسُ کلِّ خطیئۃٍ وترکُ الدُّنیا رأسُ کلِّ عبادۃ۔ (ترجمہ) "دنیا کی محبت تمام بُرائیوں کا سر اور دنیا کو ترک کرنا تمام عبادتوں کا سر ہے"۔ الغرض ترک دنیا کے معنی جو اوپر بیان ہوئے ہیں اُن کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاءؑ و اولیاء وصالحینؒ تارکان دنیا ہی تھے بحکم آیاتِ قرآنی وجود حیاتِ دنیا کفر اور ترک حیاتِ دنیا فرض ہونا صاف وصریح طور پر ثابت ہے۔ اور بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلعم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سب تارکانِ دنیا ہی تھے، لیکن دورِ نبوت میں ترک دنیا اور طلبِ دیدار خدا کا زبان سے اقرار فرض نہیں

ہوا تھا جیسا کہ دور ولایت میں حضرت مہدی علیہ السلام کے واسطہ سے
یہ اقرار ہر مرد و زن پر فرض ہوا اور یہ اقرار کرنیوالے ہی یہاں تارکانِ
دنیا قرار پائے ہیں اور اس اقرار کے بعد کسب معاش میں مشغولیت اور
تدبیر روزی پر اصرار سے باز رہنا لازمی ہو گیا ہے، پس دور نبوت میں
کسب معاش کرنے والے بھی تھے اور جو کسب معاش سے بالکل دست
کش اور تدبیر روزی سے کامل بے نیاز رہے، مثلاً اصحاب صفہ جن کے
متعلق تفسیر معالم میں لکھا ہے یہ وہ فقراء مہاجرین ہیں جو چار سو
کے قریب تھے۔ جن کے مدینہ میں نہ گھر تھے نہ قبائل وہ مسجد میں
رہتے تھے۔ قرآن کی تعلیم پاتے تھے اور ہر سریہ میں شریک رہتے
تھے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجتے تھے، یہ اصحاب صفہ
ہیں جو تجارت اور طلب معاش کے لئے سعی و عمل نہیں کرتے تھے اور
انہی کے مانند ترک کسب معاش کئے رہنے والے بے شمار انبیاء و
اولیاء کاملین ہوئے ہیں جن کے واقعات کتب سلف صالحین میں
جا بجا مذکور ہیں چنانچہ دعوئ نبوت کے بعد سے حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے اشغال کیا تھے" اعلاء کلمۃ الحق، عبادت و اطاعت
باری تعالیٰ میں شب بیداری، تہجد گزاری، ذکر اللہ، صلۂ رحمی، ازواج مطہرات
کے حقوق کی ادائی، غرباء و فقراء کی خبر گیری، جہاد فی سبیل اللہ"
آپ معاش کی فکر و تدبیر میں مصروف نہ رہتے، پیٹ پر تین تین پتھر
باندھے رہتے تھے مگر کوئی تردد آپ کو روزی کے لئے نہ تھا یہی آپ
کی جانب سے ترک دنیا کی کامل ہدایت تھی، دیگر انبیاء علیہم السلام
کے حالات دیکھئے یہ مقدس ہستیاں بھی مدت العمر دنیا سے کنارہ

کش ہی رہیں، بلکہ اُن کی بعثت کی غرض وغایت ہی رسول اللہ نے خلق اللہ کو دنیا سے چھڑا کر خدا کی طرف لے آنا بتلائی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ ما بعث الانبیاء قط الا لا لفرار الخلق عن الدنیا الی المولی۔ انبیاءؑ کی بعثت بجز اس کے کہ خلق کو دنیا سے بھگائیں اور اللہ کی طرف راہ بتائیں ہرگز دوسرے کام کے لئے نہ ہوئی۔

حضرت شیث علیہ السلام کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ دنیا کا کوئی کام زراعت، تجارت وغیرہ نہ کرتے تھے بلکہ محض عبادت الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ آپ کے بھائی جن کا پیشہ زراعت تھا آپ کی خدمت میں اپنی کھیتی کا عشر للّٰہ پیش کرتے تھے۔

حضرت نوحؑ علیہ السلام ہمیشہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے خلق اللہ کو توحید وعبادت خدا کی طرف بلاتے اور بت پرستی سے چھڑانے کی جدوجہد میں لگے رہتے تھے۔ باوجود عمر دراز پانے کے اپنے رہنے کے لئے کوئی مکان تک نہیں بنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیاءؑ میں پہلے مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کیلئے وطن کو چھوڑ دیا۔ ہجرت ومسافرت ہی میں اللہ کی عبادت میں آپ نے اپنی عمر بسر کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم پوچھتے ہیں آخر آپ نے کونسا کسب کیا۔؟ کیا تجارت یا زراعت وغیرہ آپ کا کوئی پیشہ تھا۔؟ بالکل نہیں۔ نبوت پر فائز ہونے کے بعد سے مصر جاکر فرعون کو پیغام الٰہی پہونچانے تک پھر مصر سے نکل کر ملک شام میں آنے تک آپ کا کسی قسم کا کسب کرنا ثابت ہی نہیں۔ ملک شام کے

جنگلوں اور صحراؤں میں آپ چالیس سال تک بنی اسرائیل کو ادھر ادھر لئے پھرتے رہے اور اسی حال میں وفات پائی۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام ابتدا سے آخر تک سیاحت ہی فرماتے رہے، کسی ایک جگہ آپ کا قیام ہی نہ تھا۔ نہ آپ نے کسی قسم کا کسب کیا، آپ کے حالات میں ایک نقل ہم کو ملتی ہے، آپ اپنے سفر کے دوران ایک شخص کے پاس سے گذرے جو کمبل اوڑھے سو رہا تھا۔ آپ نے اس کو جگایا اور فرمایا "اے سونے والے اُٹھ اور خدا کا ذکر کر"۔ اس نے کہا، آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ "میں نے تو دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "اے دوست با فراغت سو جا"۔ (احیاء العلوم)

اولیاء اللہ کے حالات زندگی دیکھئے، ان کی ولایت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دنیا سے کنارہ کش رہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رضہ کا بادشاہت کو چھوڑ کر ترکِ دنیا اختیار کرنا مشہور ہے ؎

ترکِ دنیا کا لطف آئے گا ۔۔۔ پوچھ لے کوئی ابن ادھم سے

حضرت معین الدین چشتیؒ کی نوعمری کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ ایک مجذوب وہاں تشریف لائے۔ آپ نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کو ایک جگہ بٹھا کر کچھ میوہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اُنھوں نے ایک کھجور اپنے دانتوں سے کتر کر آپ کو دے دیا اور کھانے کیلئے کہا۔ جونہی آپ نے اُس کو نوش کیا دل دنیا سے برخاستہ ہو گیا اور آپ نے ترکِ دنیا کر کے وطن کو چھوڑ دیا اور خدا کی طلب میں روانہ ہو گئے۔

فتوح الغیب میں حضرت سید عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ تمام واسطوں اور اسبابوں کو ترک کر کے خدا کی طرف ہی متوجہ ہو اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے جب تو ایسا کریگا کو اللہ تعالےٰ کے فضل اور تیرے درمیان جو پردہ ہے وہ اُٹھ جائیگا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تجھے ہر وقت اندازۂ حال کے موافق بے واسطہ رزق پہونچائے گا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے الدنیا لا تینغی لمحمد ولا لِآلِ محمد (ترجمہ) دنیا نہیں چاہیئے محمد کو اور نہیں چاہیئے آلِ محمد کو۔ دوسرا ارشاد یہ ہے الدنیا جیفۃٌ و طالبھا کلاب۔ (ترجمہ) دنیا مردار ہے اور اُس کے طالب کتے ہیں۔ قرآن مجید میں دنیا کی چاہت حرام ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہونا یوں مذکور ہے۔ من کان یرید الحیٰوۃ الدنیا وزینتھا نوفِ الیھم اعمالھم فیھا لا یبخسون ۝ اولٰئک الذین لیس لھم فی الاٰخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا و بٰطلٌ ما کانوا یعملون ۝ (سورۂ ھود) (ترجمہ) جو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہیں تو ہم ان کو پورا بھر دیں گے۔ اُن کے اعمال کا بدلہ دنیا میں اور وہ اس میں گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ اُن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے سوائے آگ کے اور برباد گیا جو کچھ انھوں نے کیا تھا اس میں اور ہیچ ہے جو کچھ کرتے رہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے فاما من طغیٰ و اٰثر الحیٰوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ و اما من خاف مقام ربہٖ و

نہی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ

(سورۂ نازعات ۷۹) ترجمہ۔ پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی ہی کو ترجیح دی تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کے روبرو کھڑا رہنے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا، اُس کا مسکن جنت ہے۔

پس نفس کو بیہودہ خواہشات سے روکنا اور خدا سے غافل ہونے سے بچنا ہی اصل ترکِ دنیا ہے۔ اسی کی نسبت مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎

ترک دنیا ہست سنت مصطفیٰؐ — عاشقان کردند ایں سنت ادا

ترک دنیا کن کہ تا سلطان شوی — ورنہ ہمچوں چرخ سرگرداں شوی

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند — روز و شب در جق جق و در بق بق اند

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

یعنے۔ تو نفسِ امّارہ کا تابع اللہ کے ذکر سے غافل بھی رہے اور اہل اللہ کے زمرہ میں شامل بھی یہ امر محال ہے اسی نکتہ کا بیان مولاناؒ نے اپنے اس شعر میں فرمایا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ترجمہ۔ دنیا کیا ہے ؟ خدا تعالیٰ سے غافل رہنے کا نام ہے۔ چاندی سونا، بیوی بچے دنیا نہیں ہیں۔ اگر یہ دنیا ہوتے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کیوں رکھتے ؟ اور اُن کے حقوق کیوں بیان فرماتے ؟؟

حاصل کلام اللہ کی یاد سے غافل ہونا ہی دنیا ہے۔ اِنسان اللہ کی یاد سے کب غافل ہوتا ہے؟ جبکہ اُس کا نفس اپنی خواہشات کی تکمیل پر غلبہ پاتا ہے، اس حالت میں اِنسان اِنسان نہیں رہتا حیوان سے بد تر ہو جاتا ہے، اور اس نفس کی سرکشی اور خدا سے غفلت سے باز آنے کی مہلت ہر انسان کو غرغرہ لگنے سے قبل تک بھی ہے، اسی لئے ہمارے پاس کوئی شخص اگر تمام عمر کسب و تجارت وغیرہ دنیاوی کاروبار میں مشغول بھی رہے اور اُس کو ترکِ دنیا کی توفیق حاصل نہ ہوئی ہو تو وہ مرنے کے پہلے ضرور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے دنیا کو ترک کر دیتا ہے اِس کا یہ عمل اس حدیث کے موافق ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ مرنے کے وقت غرغرہ سے پہلے ہی توبہ کر لیتا ہے تو فرشتے تحسین اور آفریں کے طور پر اس سے کہتے ہیں کہ "اے بندے تو کیا ہی جلد خدا کی طرف آیا" لیکن بعض کم فہم اس امر مستحسن پر بھی یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ جب وہ مر کر خود دنیا کو چھوڑ رہا ہے تو اس وقت ترک دنیا کا اقرار کرنے کی ضرورت کیا ہے ؟ ایک صاحب نے کسی ایسے معترض کو اُن کے قول کا یہ جواب دیا تھا کہ جب بیل مر رہا ہو تو اُس کو فوراً ذبح کر دینے کی کیا ضرورت ہے ؟ اُس کے مرنے کے بعد ہی اُسے نوش جان کر لینا چاہیئے تو وہ بیچارے یہ سُن کر منہ دیکھتے رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اچانک قلب کی حرکت بند ہو جانے سے یا بیہوشی غالب ہو کر زبان بند ہو جانے سے توبہ اور ترکِ دنیا کا اقرار نہ کر سکے تو بحکم ظن المومن خیراً۔ اِس اقرار سے روگرداں ہونے کا گمان اس کے حق میں صحیح

نہیں ہوتا اور لامحالہ وہ بھی تارکانِ دنیا اور طالبانِ خدا میں شمار پانے کا مستحق قرار پاتا ہے۔

ختم قرآن

قرآن مجید کو پڑھ کر اُس کے ختم پر اُجرت حاصل کرنا، یا اُس کا کچھ عوض پانے ہی کی نیت سے پڑھنا خواہ تراویح میں ہو یا کسی میت کے ایصال ثواب کے لئے ایک ایسا فعل ہے جس میں حصول ثواب کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی نہ پڑھنے والے کے لئے نہ پڑھوانے والے کے لئے نہ کسی مرحوم کے لئے جس کے ایصال ثواب کی نیت سے پڑھوایا جائے کیونکہ اول تو یہ فعل صدر اول میں تھا ہی نہیں، نہ نبی صلعم کی اجازت سے ثابت ہے نہ صحابہؓ کے عمل سے بلکہ جیسا کہ ندر و نیاز یا کسی مرحوم کی رُوح کے ایصال ثواب کے موقع پر سوائے اس کا کی نیت دل سے کرنے کے یا اِسی نیت کے الفاظ زبان سے کہنے کے کھانے کے دیگ کے سامنے کھڑے ہو کر یا کھانا شیرینی وغیرہ سامنے رکھکر دونو ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ و درود پڑھنا سنّت نہیں ہے، ویسا ہی کئی آدمی بیٹھ کر آپس میں قرآن کے پارے تقسیم کر کے ختم قرآن جو کرتے ہیں یہ عمل بھی سنّت نہیں بلکہ بدعات و محدثات ہی میں داخل ہے جن کی ممانعت احادیث صحیحہ سے بتاکید ثابت ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے فرمان سے بھی یہی ثابت ہے کہ جو کوئی رسم وعادت و بدعت اختیار کرے گا دین کا بہرہ نہیں پائے گا۔ دین

کا کوئی کام بھی ہو وہ محض للہ فی اللہ ہی انجام دینا چاہیئے اس لئے کہ خود آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً (سورہ انعام رکوع ۱۶) کہدو اے محمد! میں تم سے اس کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا یعنی میری یہ دینی تبلیغ اور دین کے دوسرے سارے کام محض اللہ کے لئے ہیں۔ اس کا میں معاوضہ نہیں چاہتا یہ خطاب جیسے کہ آنحضرت سرور کائنات ؐ سے ہے ایسے ہی تمام اُمت بھی اس سے مخاطب ہے اور عاشقان رسول ؐ اور تابعان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی اسوہ ہونا چاہیئے کیونکہ قرآن مجید نے اہل اسلام کو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا حکم دیا ہے یعنے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ؐ کی اطاعت کرو پس جو اسوۂ رسول اللہ ؐ ہے اسی پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے ورنہ قرآن پڑھ کر اُجرت طلب کرنا یا نماز پڑھاکر تنخواہ یا مقررہ معاوضہ لینا یہ اور ایسی ہی دیگر دینی و مذہبی خدمات کا شمار نافرمانی اور بدعتی ہی میں ہوگا۔ خُدا اس سے پناہ میں رکھے۔

اِیصالِ ثوابؔ

دینِ اِسلام میں اموات یعنی مُردوں کے لئے اِیصالِ ثواب اعمال صالحہ کے ذریعہ روا ہونے کے بارے میں شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے۔

وفی دُعاءِ الاحیاءِ للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم

(ترجمہ)۔ زندے مُردوں کے لئے دعا کریں یا اُن کی طرف سے صدقہ دیں یعنے خیرات کریں تو اس میں مُردوں کا نفع ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے کی ایک

کرڈی حج بدل بھی ہے۔ اگر دینِ اسلام میں ایصال ثواب درست نہ ہوتا تو حج بدل کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا' حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں جو بھی اعمال صالحہ کرے وہی اس کے حق میں دراصل مفید اور نورٌ علیٰ نور ہیں مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ عمل میں کوتاہی کرنیوالا قصورِ عمل کا مرتکب ہوتا ہے۔ بے ایمان تو نہیں قرار پاتا' بہرحال مرنے والا قصور عمل کا مرتکب ہو یا نہ ہو اس کو ثواب پہنچانا اس کے حق میں مفید ہے اور ہر عمل نیک کا ثواب خود پانے کیلئے ہو یا دوسرے کو پہنچانے کے لئے اُس کی نیت دل سے شرط ہے' خواہ زبان سے اُس نیت کے الفاظ کہے یا نہ کہے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشادِ مبارک ہے اِنَّمَا الاعمالُ بالنّیات۔ سوائے اس کے نہیں کہ اعمال کا ثبوت نیتوں ہی سے ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص تمام تمام دن بھوکا رہے اور دل میں اُس کے نیت فرض یا واجب یا نفل روزے کی نہ ہو تو وہ ثواب روزے کا نہیں پائیگا۔ یہی حال میت کیلئے ایصال ثواب کی نیت کے لازمی ہونے کا ہے اگر کوئی کسی ــــ اپنے عزیز مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے مدرسہ دینی قائم کرے یا مسجد بنائے یا دواخانہ کھولدے یا کنواں کھدوادے' یا غربا و مساکین کو کھانا کھلائے تو اُس کے لئے ضروری ہوتا ہے اُس کو ثواب پہنچنے کی نیت ضرور کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہیں خط قمی اللہ ہے تو اُس کو ضروری ہوتا ہے کہ ٹپہ کا ٹکٹ اُس پر چسپاں کرے۔ جب ضابطہ کے موافق ٹکٹ چسپاں ہوتا ہے تو خط کا پہنچنا لازمی ہو جاتا ہے تو پھر خداوند کریم جو حاکم الحاکمین ربّ العالمین ہے اپنے کسی بندے کے عمل کا ثواب جس کو پہنچانے

کی نیّت کرے کیسے نہیں پہنچائیگا، جبکہ وہ خلوص دلی کے ساتھ ثواب پانے اور پہنچانے ہی کی نیّت سے کوئی نیک عمل کیا ہو۔ اور ایصال ثواب کی نیّت جو دل ہی سے شرط ہے۔ اُس کے الفاظ یہی ہوتے ہیں کہ یہ جو پکایا یا کھلایا جارہا ہے یا فی سبیل اللہ دیا جارہا ہے نذر اللہ نیاز رسول اللہ و نیاز مہدی موعود مراد اللہ و جمیع انبیاء و اولیاء و صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین خصوصاً نیازِ فلاں بزرگ یعنے اس بزرگ کی روحِ پاک کے لیے نیاز مندانہ تحفہ ہے یا فلاں مرحوم کی روح کو اس کا ثواب پہنچے یا بہ نیّت فلاں یہ ایصال ثواب ہے فقط چنانچہ ایصال ثواب کی نیّت کے الفاظ محدث اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی فتاوی اشرفیہ حصۂ اوّل میں یہی لکھے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ثوابش بروح فلاں برساند۔ بجائے اس کے کھانا سامنے رکھ کر دونو ہاتھ اُٹھا کر اس کے سامنے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر فاتحہ و درود وغیرہ پڑھنا قطعاً ناروا ہے چنانچہ مولف کتاب علم الفقہ نے لکھا ہے،

کھانا یا شیرینی وغیرہ آگے رکھ کر قرآن مجید کی سورتیں جو پڑھتے ہیں اور اس کو ایک ضروری امر خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک سخت بدعت ہے

(ماخوذ از چراغ دین مہدیؑ)

عُود دینا

پانی کو عود سے خوشبودار کرکے بندگانِ خدا کو پلانا امر مسنون باعث اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ ایک حدیث صحیح میں ہے کہ ایک سائل نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری تمنا یہ ہے کہ صدقۂ جاریہ کے طور پر ایک کنواں کھدوادوں لیکن اتنی مقدرت نہیں

رکھتا ہوں ۔ پس میری یہ آرزو کس طرح پوری کروں ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ایک گھڑا لے اور اس کو خوشبودار کر کے ٹھنڈا پانی اس میں بھر اور بندگان خدا کو پلا دے ایک کنواں کھدوانے کا اجر خدائے تعالیٰ تجھے دیگا۔ انتہیٰ لیکن یہ عمل دورِ نبوّت عام نہیں ہوا تھا۔ حضرت مہدیؑ کے حکم و اجازت سے گروہ مہدویہ میں ہر بزرگ کی نیاز، عرس یا بہرۂ عام اور ہر مرحوم کے ایصال ثواب کے موقع پر کم از کم صرف عود دیا ہوا پانی ہی بندگان خدا میں تقسیم کرنے کا عمل رائج ہوا ہے اور عمل بہرۂ عام کی ابتداء حضرت مہدی علیہ السلام کے حکم سے حضرت بی بی الہدادی رضؓ کے بہرۂ عام سے ہوئی ہے ۔ نقل مشہور و متواتر سے ثابت ہے کہ حضرت بی بی الہدادی رضؓ کے وصال کے بعد دوسرے سال یعنے دوسرا سال شروع ہونے سے ایک دن پہلے ۲ ماہ ذیحجہ ۸۹۲ھ کو حضرت مہدیؑ نے بی بی الہدادی رضؓ کا بہرۂ عام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میرے اصحاب کو جو بہرۂ ولایتِ محمدی پہونچا ہے، سب کے برابر بی بی کو ملا ہے۔ آج کا دن بی بی کی وفات سے پہلے کا دن ہے ۔ آج بی بی کے فیض کی نیت سے عام طور پر جو ماحضر غذا کی قسم سے خدا نے دیا ہے، سب میں تقسیم کرو کچھ نہیں ہے تو صرف پانی ہی کو عود دے کر سب بندگانِ خدا میں تقسیم کردو۔ اسی فرمان واجب الاذعان کی تعمیل میں گروہِ مہدویہ میں ہر بزرگ کے نیاز عرس و بہرۂ عام اور ہر مرحوم کے ایصال ثواب کے موقع پر پانی کو عود دینے کا عمل عام ہوا ہے ۔

اس باب میں ایک اور نقل شریف بھی آئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہیکہ ایک دفعہ حضرت مہدی علیہ السلام کے عُرس کے موقع پر آپ کے اصحاب رضؓ

نے اپنی اپنی جگہ نذر اللہ کر کے غربا و فقراء کو کھانا کھلایا تھا۔ پھر ہر ایک نے آنحضرت ع کی روح مبارک کی طرف توجہ باطنی کی تو دیکھا کہ آنحضرت ع نے شاہ نظام رض کے دائرہ مقدس میں نزول اجلال فرمایا ہے اصحاب رض اس مشاہدے سے بے حد متاثر ہوئے اور سب کے سب اپنے اپنے دائروں سے حضرت شاہ نظام رض کے پاس تشریف لائے اور اپنے مشاہدہ کا حال حضرت شاہ نظام رض سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سال میرے پاس عرس شریف کے لئے کسی قسم کے پخت کا انتظام نہ ہو سکا، البتہ پانی کو عود دیکر سب فقراء و مساکین کو پلایا گیا ہے۔ یہ سن کر سب اصحاب رض کی حیرت دور ہوئی اور سب اپنی اپنی جگہ سمجھ گئے کہ آنحضرت ع کی توجہ خاص ادھر مبذول ہونے کی یہی وجہ ہوئی ہے اور یہ واقعہ حضرت ثانی مہدی ع میراں سید محمود [illegible] کے وصال کے بعد کا ہے کیونکہ آنحضرت رض کے زمانۂ حیات میں آنحضرت رض کے حکم سے جو اصحاب رض آنحضرت رض کے قریب قریب ہی سکونت رکھتے تھے حضرت امام علیہ السلام کے بہرہ عام و عرس کے موقع پر آنحضرت رض سے جدا ہوتے ہی نہ تھے۔

حاصل کلام پانی کو عود دینا جو ایک امر مسنون ہے، ہر نذر و نیاز و ایصال ثواب کے موقع پر خصوصاً ہماری قوم ہی میں رائج ہے۔ اور ایصال ثواب کے لئے پانی کو عود دیتے وقت اگر میت مرد ہو تو اس کے لئے گھڑا یا لوٹا یا صراحی اور عورت ہو تو اس کے لئے ہانڈی بتخصیص منگوانا عورتوں کا اختیاری فعل ہے، جو کسی حکم دینی کے تحت نہیں ہے۔ بعض نادان مخالفین کہتے ہیں کہ مہدویوں کے پاس ہانڈی کو عود جو دیا جاتا ہے، کیا ہانڈی میں روح آجاتی ہے ـــ؟ اس کا جواب یہ ہے ان لوگوں کے یہاں کھانے کی دیگ پر

جو فاتحہ پڑھتے یا پڑھواتے ہیں، کیا دیگ میں مُردہ اُتر آتا ہے؟ پانی کو عود دینے سے تو صاف ایصال ثواب مقصود ہونا ظاہر ہے، لیکن کھانے پر فاتحہ پڑھنا سوائے بدعت کے نہیں ہے ایک اور لطیفہ یہاں قابل ذکر ہے۔ ایک اُمّی مہدوی سے کسی صاحب نے سوال کیا کہ آپ کے پاس برتن کو عود دے کر پانی کیوں بھرتے ہیں۔؟ کیا اس میں مُردے کی روح آتی ہے۔؟؟ اس اُمّی مہدوی نے جواب دیا ہماری روح کو کھانا بھی ملتا ہے اور پانی بھی ملتا ہے مگر آپ کی روح کو صرف کھانا ملتا ہے، پانی نہیں ملتا اسی لئے وہ پیاسی جاتی ہے۔

بہرۂ عام

بہرۂ عام بھی خصوصیات مہدویہ سے ہے دراصل یہ لفظ "بہرۂ فیض ولایت مقیدۂ محمدیہ برائے خاص و عام" ہے اول و آخر کے دو لفظ لیکر اس کو بہرۂ عام کردیا گیا ہے۔ بعضے بزرگوں نے اس کو "بار عام" بھی لکھا ہے — کسی بزرگ کے بہرۂ عام سے مراد یہ ہے کہ اُن کی وفات کے دن سے ایک دن پہلے ان کے فیض کی یادگار میں کوئی باسانی میسّر ہونیوالی غذا اُن کے معتقدین و مریدین حاضرین میں اُن کے درجوں کے مطابق علی التسویہ تقسیم کیجائے۔ مثلاً تارک دنیا اہل ارشاد کو چار مشت تو طالب خدا کو تین مشت کا سبوں عورتوں بچوں کو دو دو مشت یا اسی اندازے کے موافق پختہ یا خام جو بھی غذا تقسیم شدنی ہو تقسیم کرتے ہیں۔ اس عمل کی ابتداء حسب حکم حضرت مہدیؑ گروہ مبارک میں حضرتہ بی بی الہ دادی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہرۂ عام ہی سے ہوئی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔

جب تک دائروں کی زندگی تھی ہر بزرگ کے بہرۂ عام کے موقع پر پانی اور لکڑی کی فراہمی کیلئے مرشد دائرہ اپنے طالبوں کے ساتھ دائرہ کے باہر کسی قریبی جگہ پر جہاں پانی بھی مل سکتا تھا اور لکڑی بھی فراہم ہو سکتی تھی ان دونوں چیزوں کے لئے جاتے تھے تو اُن کو دیکھ کر دائرہ کے باہر رہنے والے مہدوی بھی جو کاسبین و موافقین کہلاتے تھے پانی اور لکڑی کی فراہمی کیلئے مرشد دائرہ اور فقرائے دائرہ کے اجماع میں شریک ہو جاتے تھے اور اس شرکت کو اپنے لئے باعث سعادت دارین جانتے تھے، یہانتک کہ اُن کے بعضے دوست احباب بھی جو مہدویوں میں نہ ہونے کے باوجود حضرت مہدی علیہ السلام کی عظمت و ولایت کے قائل اور آپ کے بعد کے بزرگوں کے بھی فضل و کمال کے معتقد ہوتے تھے۔ بہرۂ عاموں کے اجماعوں میں نہایت تعظیم و احترام کے ساتھ شریک ہوا کرتے اور کمال اعتقاد کیساتھ نان ریزہ لیکر آنکھوں کو لگا کر کھاتے تھے ایسی مثالیں زمانۂ حال تک بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ بلکہ قیامت تک دیکھنے میں آئینگی۔ اس سیدھے سادھے عمل کے سوائے ہمارے یہاں نہ کسی بزرگ کے عرس کے موقع پر صندل چراغوں کا اہتمام ہے نہ اور کسی قسم کی دھوم دھام۔

بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ موجودہ زمانہ میں لکڑی یا پانی کہیں سے جا کر لانے کی کیا ضرورت ہے۔ گو اگلے زمانے میں اس کی ضرورت رہی ہو لیکن ضرورت باقی رہنے یا نہ رہنے کا یہاں سوال ہی نہیں۔ یہاں بقائے طریقۂ سلف صالحین اور اس کی دینی افادیت کو دیکھنا ہے کہ ایک اعلیٰ مقصد کی تکمیل میں بغیر کسی خرچ کے بہ سہولت سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو بی بی ہاجرہؓ ایک ضرورت سے صفا و مروہ کے درمیان

نتیجہ یہ کہ ابھی سے بزرگوں کا احترام اٹھ گیا ہے

دوڑی تھیں، یا حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام نے شیطان کے بہکانے کیلئے آنے پر اس کو کنکریاں ماریں تھیں۔ اب وہ دونوں ضرورتیں مطلق نہیں، رفع ہو چکی ہیں۔ پھر حاجیوں سے پوچھیئے کہ وہ یہ دونوں فعل کیوں انجام دیتے ہیں۔؟ وجہ یہی ہے کہ خاصان حق کے جو افعال شعائر اللہ میں شمار ہونے کے ہوتے ہیں۔ ان کی یادگار کو دلوں کی تقویت اور روح کی بالیدگی کے لئے باقی رکھنا ہی پڑتا ہے، جن کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔

ومن العظیم شعائر اللّٰہ فھی من تقوی القلوب۔ اور جو تعظیم کرے اللہ کی نشانیوں کی تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ یہی شعائر اللہ شعار قوم بن کر شناخت قوم کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اللہ نے دیا ہے

مہدویوں کا طریقہ ہے جب کبھی فی سبیل اللہ کوئی چیز کسی کو دیں گے تو یہ کہہ کر دیں گے کہ "اللہ نے دیا ہے"، اس پر بعضے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا کہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ تمام چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور اللہ ہی دیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ راہِ خدا میں ثواب یا نیکی نیت سے جو کچھ کسی متوکل علی اللہ یا فقیر و مسکین کو دیا جائے اس کا للہ او من عند اللہ ہونا ظاہر کرتا اور ھذا اللہ یا خدا رسانیدہ است یا اللہ دیا ہے کہکر دینا عہد اظہار ولایت کے خصوصیات اور واجبات سے ہے (آئین مہدویہ) کیونکہ یہاں حضرت مہدی علیہ السلام کے واسطہ ہی سے ہر مہدوی پر ترک دنیا اور طلب دیدار خدا کا زبان سے اقرار فرض

ہوا ہے۔ پس جو کوئی شخص صرف خدا کی ذات کا طالب ہونے کا اقرار کرلے وہ غیر اللہ کی طرف سے کوئی چیز بغیر اللہ کا نام درمیان میں آنے کے قبول نہیں کرسکتا ورنہ شئی مذکور حلال و جائز ہونے کے باوجود بھی اس کا شئی مذکور بغیر اللہ کے نام سے دی جانے کے قبول کرنا از روئے شرع عزیمت سے ہٹ کر رخصت میں آجائیگا اور اس عمل پر جو مبنی بر عزیمت و عالیت ہے اعتراض خود شرعاً ناجائز ہے کیونکہ جب اصل مالک ہر چیز کا اللہ ہی ہے تو اللہ کا نام لینے میں کیا برائی ہے، اللہ کی خوشنودی کی خاطر اللہ کی راہ میں کسی کو کچھ دے تو جو اس کا عارضی مالک ہے درمیان میں کیوں رہے۔ اصل مالک ہی کے نام سے کیوں نہ دے۔

بعض لوگ کھانا کھانے کی اجازت مہمانوں کو دیتے وقت صرف بسم اللہ کہہ دیتے ہیں، لیکن اس کے معنی ہیں میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اجازت دینے والا خود کھانا چاہتا ہے۔ فقط بسم اللہ یا بسم اللہ شروع کیجئے کہنے میں دوسروں کیلئے اجازت ہے بھی تو مبہم ہے صریح نہیں۔ صریح اجازت یہی ہے کہ اللہ نے دیا ہے کھا جائیے۔ اسی لئے دورِ ولایت میں یہی صریح اجازت فتوح کو قبول کرنے کی شرط قرار پائی ہے۔

کسی چیز کے دینے پر خدا کا نام لینا اور اس کے مالک ہونے کا اقرار کرنا قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ مثلاً ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور یہ اقرار کرتا ہے کہ ایاك نعبد و ایاك نستعین (ترجمہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ بات تو ظاہر و اظہر من الشمس ہے کہ مسلمان اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے، پھر اس کے باوجود

بار بار اقرار کرتاہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو ایسا کہنا جب خلاف شریعت نہیں ہے تو پھر اللہ کی راہ میں دی جانیوالی ہر چیز پر اللہ کا نام لینا خلافِ شریعت کیسے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اللہ کے بندوں کے حوالے کرنے کے موقع پر اللہ کا نام لینا ہی عین واقعہ کے مطابق ہے۔ ایک عقلی دلیل سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے۔ مثلاً زید نے سعید کے ذریعہ بکر کو پانچ روپے روانہ کئے۔ اگر سعید خاموشی سے وہ رقم بکر کے حوالے کردے تو بکر یہی سمجھیگا یہ روپیہ سعید ہی نے دیا ہے۔ اُسے معلوم تک نہ ہوگا کہ زید نے بھیجا ہے۔ ہاں اگر سعید دینے کے موقع پر اظہار و اقرار کرے کہ زید ہی نے بھیجا ہے تو بکر کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ حقیقی بھیجنے والا کون ہے اور محض لانیوالا کون۔ جیسے ہی اصل بھیجنے والے کا نام معلوم ہوگا' لانیوالے کی صورت سامنے سے ہٹ جائے گی اور بھیجنے والے کی صورت سامنے آجائیگی۔ بالکل اسی طرح جب دینے والا کسی چیز پر اللہ کا نام لیتا ہے تو ظاہری طور پر لانیوالے کی صورت سامنے سے ہٹ جاتی ہے اور اللہ کی ذات یاد آجاتی ہے۔

جب دینے والا دوسرے کو کوئی چیز دیتے ہوئے یہ اقرار کرے کہ میں نہیں دے رہا ہوں' بلکہ اللہ دے رہا ہے تو ایسا کہتے اور سمجھنے سے دینے والے کا میں پنا مٹ جاتا ہے۔ جب کسی بندے کا میں پنا مٹ جاتا ہے یا وہ اپنے آپے سے نکل جاتا ہے یا مقام فنا حاصل کرلیتا ہے تب ہی وہ اللہ کو پاتا ہے اسی کی طرف اشارہ کسی عارف کے اس قول میں ہے،

سہ
توز خود گم شو وصال این است وبس
تو مباش اصلا کمال این است وبس

اور اسی معنیٰ کو خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے یوں بیان کیاہے۔؎

میاں عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظؔ از میاں برخیز

بولا چالا معاف کرانا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ( ). بجز اس کے نہیں کہ سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس آیت کریمہ کی دلالت اس امر پر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی یا محض دینی برادری رکھتا ہو۔ نسباً حقیقی بھائی کے برابر قابل عزت و لحاظ سمجھے (تفسیر رشدی)۔ احیاناً ایک کو دوسرے سے رنجش و کشیدگی کی صورت پیش آئے تو رنجش کا سبب جس کی طرف سے پیدا ہوا ہو اس کو لازم ہے کہ اس سبب کو دور کر کے اپنے قول و فعل یا بولے چالے کی معافی کا اس شخص سے طالب ہو جو اس سے آزردہ خاطر ہو گیا ہو یا جس کا دل اس کی بدسلوکی سے ٹوٹ گیا ہو، ورنہ سبب نفرت کو باقی رکھتے ہوئے کوئی کسی سے بولا چالا معاف نہیں کروا سکتا اور اپنے ذمہ جو مواخذہ ہو اس سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس باب میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ یہانتک کہ بے سینگ کی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جانا بھی ایک حدیث صحیح میں مذکور ہے، البتہ جو معمولی رنجشیں آپس میں ایک کو دوسرے سے ہوتی ہیں اِن میں بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ ازراہِ شفقت و مرحمت اور چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ ازراہ تعظیم و توقیر درگذر کرنا ہی لازم ہوتا ہے اور اِس کے دو خاص موقع عیدین کی ملاقات میں سال میں دو مرتبہ ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی معمولی رنجشوں میں خوشی

کی تقریبوں یا غمی کے حادثوں میں بولے چالے کی معافی کے اقرار کے ساتھ یا بغیر اس اقرار کے بھی ایک دوسرے سے صاف دِل ہوجایا کرتے ہیں اور یہی ایمان کی زندگی کا مقتضا بھی ہے۔

گروہ مہدویہ کا یہ خاص طریقہ ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ صبح صبح نماز فجر کے بعد لوگ ایک دوسرے سے مل کر اپنا بولا چالا معاف کروایا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دِلوں کی کدورتیں، رنجشیں دور ہوکر آپس میں ایک دوسرے سے سب کا صاف دل رہنا لازمی ہوجاتا ہے۔

روایت مشہور سے یہ ثابت ہے کہ حضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہٗ جب دسؔ محرم کو میدان کربلا میں ظالموں کو جہنم رسید کرنے کے لئے تشریف لیجانے لگے تو سب اپنے ساتھیوں اور اہل وعیال سے آنحضرت رضؓ نے اپنا بولا چالا معاف کروالیا تھا کیونکہ آپ کو واپس لوٹنے سے بڑھ کر اپنی شہادت کا یقین تھا۔ پس حضرت اِمام حسین رضؓ کی شہادت کے بعد اس شہادت عظیمہ کی یادگار میں اہل بیت کے سب گھرانوں میں ہر سال دسوؔیں محرم کو بولا چالا معاف کروانے کا عمل رائج ہوگیا تھا پھر آگے چل کر بہت سے گھرانوں میں متروک بھی ہوگیا تھا، لیکن حضرت میراں علیہ السلام کے خاندان میں باقی تھا اس کو حضرت مہدی علیہ السلام نے بحکم خدا برقرار رکھا، اور بعض احادیث سے یہ امر ظاہر ہے کہ قیامت عاشورہ یعنی محرم کی دسوؔیں تاریخ ہی ہوگی۔ کیا معلوم کہ اب جو یوم عاشورہ آنیوالا ہے ممکن ہے وہی قیام قیامت کا دن ہو۔ پس اہلِ ایمان اُس وقت رہیں بھی تو اُن کا آپس میں ایک دوسرے سے صاف دل ہوکر رہنا ہی بہتر ہے۔

عمل قدمبوسی

عمل قدمبوسی مہدویہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد سے اس کا رواج مسلمانوں میں عام ہوا ہے، ورنہ عام طور پر ایک دوسرے کو اسلام علیکم ہی کہا کرتے تھے۔ برابری والوں میں باہم سلام کے ساتھ مصافحہ کا عمل بھی عام رہا ہے۔ اور خصوصاً خاص خاص موقعوں پر بزرگوں کی قدمبوسی اور دست بوسی بھی کی جاتی تھی جس کا ثبوت احادیث وسیر سے بخوبی ملتا ہے یہاں تک کہ عمل قدمبوسی کو بدعت اور کفر قرار دینے والوں کی تردید میں ایک خاص رسالہ بھی لکھا گیا ہے جس کا نام حسام الاسلام علیٰ من یکفر المسلم بتقبیل الاقدام ہے۔ عمل قدمبوسی کے جواز اور اس کی اہمیت اس رسالہ کے نام ہی سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے۔ " اسلام کی تلوار اس شخص پر جو قدمبوسی کو جائز رکھنے والے کسی مسلمان کو کافر کہے"۔ عمل قدم بوسی کے جواز کے جو دلائل اس رسالہ میں لکھے گئے ہیں منجملہ اُن کے ایک واقعہ عداس نصرانی کا ہے جنھوں نے رسول اللہؐ کی قدم بوسی اور دست بوسی کی یہ روایت جو پوری عربی میں ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس روایت کے آخر ترجمہ میں لکھا ہے " پس عداس بر دست و پائے مبارک بروے افتاد و بوس کرد و مسلمان شد"۔ یعنے پس عداس رسول صلعم کے پائے مبارک پر گرے پھر پائے مبارک اور دست مبارک کو بوسہ دیا اور مسلمان ہوئے، نیز تاریخ اسلام مؤلفہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری

کے صفحہ ۱۳۶ پر درج ہے کہ جب حضور صلعم شان کے ساتھ آگے بڑھے تو اہل قریش کا ایک قافلہ شام سے آتا ہوا راستہ میں ملا، جس کے قافلہ سالار طلحہ رض بن عبداللہ تھے جو پہلے ہی حضور صلعم پر ایمان لاکر مسلمان ہو چکے تھے، ہادی اسلام صلعم کو دیکھتے ہی قدم بوس ہوئے انتہیٰ نیز رسالہ سیرت الاولیاء میں مذکور ہے قال صہیب رض رأیتُ علیاً یقبّل ید العباس رض و رجلہٗ ترجمہ صہیب رض نے فرمایا ہے دیکھا میں نے علی مرتضیٰ رض کو دست بوسی و قدمبوسی کرتے ہوئے حضرت عباس رض کی۔ ایسا ہی رسالۂ خاتون جنّت یعنی سیرت بی بی فاطمہ رض مطبوعہ کے صفحہ ۱۴۴ پر یہ روایت درج ہے کہ ایک روز حضرت رسول کریم صلعم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے حاضرین پر خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ سامنے سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نمودار ہوئے اور آتے ہی آنحضرت صلعم کے قدمبوس ہوئے۔ الخ (ماخوذ از تادیب المصدّقین) نیز ایک روایت خزانۃ الروایات مؤلفہ قاضی جگن ہندی میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جنّت کی دہلیز کو بوسہ دوں۔ میری یہ قسم کس طرح پوری کروں۔ آپ نے فرمایا تیرے ماں باپ زندہ ہیں تو اُن کے قدم چوم لے۔ مر گئے ہیں تو انکے قبروں کی پائنتی کی زمین کو بوسہ دے، انتہیٰ ان سب روایات سے بخوبی ظاہر ہے کہ قدم بوسی کا عمل صدر اول میں خاص خاص موقعوں پر رائج تھا جب خلفاءِ راشدین رض کے بعد سے مسلمان حکام و امراء نے عجم کے طریقہ پر اپنے ماتحتوں سے سلام لینا شروع کیا اور مسلمان عوام دنیا دار حکام کے آگے تعظیماً سر جھکانے لگے تو وہیں سے دینی پیشواؤں ائمۂ اہل بیت

وغیرھم صالحین اُمت کی قدمبوسی کا عمل بھی عام ہوگیا۔ دنیا کے مقابلہ میں دین کی عظمت کے اظہار واثبات میں بزرگانِ دین کی قدمبوسی واجب قرار پائی اِسی لئے تابعین رضؓ کے دور سے تمام اولیاء اللہ و صالحین اُمت نے اُس کو روا رکھا تھا اور خاتم الاولیاء مہدی موعودؑ نے بھی اس عمل کو بحکم خدا برقرار رکھا البتہ سجدۂ تعظیمی سے جس کو بعضوں نے روا رکھا تھا آنحضرتؐ نے منع فرمادیا پس السلام علیکم کہنے والے کا جواب بھی وعلیکم السلام ہے اور قدمبوسی عرض یا آداب عرض یا تسلیم وبندگی کہنے والے کا جواب بھی علیکم السلام ہی ہے یا حسب موقع و محل اِسی کے الفاظ لوٹا دیئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں سلام کو لفظ السلام علیکم اور وعلیکم السلام کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بلکہ۔ واذا حُیّیتم بتحیۃ فحیّوا باحسن منھا او ردّوھا۔ کہا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اور جب تمکو کوئی کلمۂ تحیت (دُعا یا تعظیم کا کلمہ) کہا جائے تو تم بھی اُس سے اچھا یا ویسا ہی کلمۂ تحیت کہدیا کرو۔ نیز سلام کے بارے میں فرمان حق تعالیٰ ہے واذا دخلتم بیتاً فسلموا علیٰ اھلھا۔ جب تم کسی (مسلمان) کے گھر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کہو۔ لیکن کسی بیت اللہ یعنی مسجد میں داخل ہونے کے وقت سلام کرنے کی تاکید نہیں فرمائی بلکہ خاموشی کے ساتھ مسجد میں داخل ہوکر نماز یا ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہیئے۔ ہاں اگر حاضرین مسجد میں سے کسی سے کچھ کام کی دینی بات کرنی ہو تو اُن کے نزدیک جاکر اول سلام کرکے پھر ضروری کلام بھی کرسکتے ہیں۔ اس طرح سے کہ دوسرے جو نماز یا ذکر اللہ میں ہوں اُن کے ذکر و نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ؎

نماز لیلۃ القدر

گروہ مقدسہ میں رمضان کی ستائیسویں[۲۷] شب آدھی رات کے بعد جماعت سے نماز عشاء پڑھ کر وتر کے پہلے دو رکعت نماز فرض لیلۃ القدر با جماعت ادا کی جاتی ہے۔ اس پر بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ یہ نماز آدھی رات کے بعد کیوں پڑھی جاتی ہے ۔؟ پھر پانچ نمازوں کے علاوہ یہ چھٹی نماز فرض کیسے؟ جواب یہ ہے کہ شبِ قدر جو ہزار مہینوں سے افضل ہے اُس رات کی عبادت ہزار مہینہ کی عبادت سے افضل و برتر ہے۔ لیکن باوجود اس فضیلت کے اظہار کے جس کا مقصد عبادت کا امر معنوی ہی معلوم ہوتا ہے لیلۃ القدر کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر کے بھلا دیا گیا تھا۔ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ "یہ رات مجھ پر ظاہر کی گئی تھی پھر بھلا دی گئی تم اس کو رمضان کے آخری دہے میں ڈھونڈو"۔ اِس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس رات کو ظاہر کر کے پھر اس کا بھلا دیا جانا خود آپ کے بعد ایک خلیفۃ اللہ کی آمد کا متقاضی تھا جو اس کو قطعی طور پر معیّن کر سکے کیونکہ اسی کو خدا سے بیواسطہ علم حاصل ہو سکتا ہے، دوسروں کو نہیں۔ چنانچہ اِس کے بارے میں جو روایتیں آئی ہیں اُن کے نظر کرتے ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ کسی نے اکیس[۲۱] کہا تھا کسی نے ستائیس[۲۷]، کسی نے اُنتیسویں شب، شبِ قدر ہونے کا گمان کیا تھا۔ بہرحال اِن تمام اقوال میں تذبذب ہی تھا۔ قطعی علم اس کا کسی کو نہ ہو سکتا تھا نہ ہوا۔ لیکن یہ اختلاف اور تذبذب ہم مہدویوں کے پاس

اس طرح یقین سے بدل گیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ
کے حکم سے رمضان کی ستائیسویں شب کا شب قدر ہونا ظاہر فرما
دیا اور اس اظہار کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حکم خدا ہوتا ہے
کہ "اے سید محمد! یہ رات جو قدر کی رات ہے اور ہم نے اپنے فضل
و کرم سے تجھ پر اس کو ظاہر کیا اور تجھ کو عطا کیا ہے۔ اُس کے شکریہ
میں دو رکعت نماز باجماعت ادا کر"۔ آنحضرتؑ نے اِس حکم کو سُنا کر
سب کو جمع کر کے سب کو ساتھ لیکر خود امام ہو کر یہ دوگانہ شب قدر
ادا فرمایا۔ پس یہ دوگانہ آپ پر اس شب کے اظہار کے شکریے میں
فرض ہوا اور سب پر آپ کی متابعت میں فرض ہوا ہے۔ پس حضرت
مہدی موعودؑ خلیفۃ اللہ ہوتے اور یہ حکم خدا اس نماز کو ادا کرنے کی جہت
سے اس نماز کے فرض ہونے میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا، دیکھئے بعضے
ائمہ" کے نزدیک نماز وتر بھی فرض ہے۔ پھر چھٹی نماز کیسے فرض ہو گئی؟
یہ اعتراض نماز وتر پر نہیں ہو سکتا تو دوگانۂ شب قدر پر کیسے درست
ہوگا۔

ہمارے پاس اس رات کے اہتمام اور آدھی رات کے بعد اُس
کو ادا کرنے میں حضرت رسول اللہ صلعم کی پیروی کی صورت بھی پائی جاتی ہے
اگرچہ آنحضرتؐ کے زمانے میں اس کا تعین نہیں ہوا تھا نہ آپ نے اس
کا کوئی حکم دیا تھا 'غنیۃ الطالبین' میں ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے
ہیں کہ رمضان کی تئیسویں رات کو رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور
آپ نے تہائی رات تک ہم کو نماز پڑھائی، چوبیسویں رات کو آپ
تشریف نہیں لائے۔ پچیسویں رات کو تشریف لائے اور آدھی رات

تک ہم کو نماز پڑھائیے۔ اس پر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اچھا ہوتا
اگر آپ تمام رات ہم کو نماز پڑھاتے رہتے۔ فرمایا جو شخص امام کے ساتھ
نماز کو کھڑا رہے اور امام کے ساتھ ختم کرے تو اس کو پوری رات کی
عبادت کا ثواب ملتا ہے، پھر چھبیسویں (۲۶) رات کو بر آمد نہیں ہوئے
ستائیسویں رات کو تشریف لائیے اور ہم سب کو اور اپنے اہل
خانہ کو جمع فرمایا اور سب کو لے کر اتنی دیر تک نماز پڑھاتے رہے
کہ ہم کو فلاح کے فوت ہو جاتے کا اندیشہ ہوگیا۔ کہا گیا فلاح کیا ہے؟
کہا کہ سحری کا کھانا۔ اسی حدیث صحیح سے رسول اللہؐ کی جانب سے
رمضان میں تین شب نماز تراویح سنّت ہونا ثابت ہوا ہے۔ پھر
حضرت ابابکر صدیقؓ رمضان کے اخیر عشرہ میں پورے نو یا دس شب نماز
تراویح ادا کرتے رہے، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سالم مہینہ نماز تراویح ادا
کرنے کی ترغیب دی اور ادا فرماتے رہے اسی لئے مہدویہ کے پاس تین دن
نماز تراویح سنت رسول اللہؐ کی نیت سے اور مابقی سات یا ستائیس دن
سنت صحابہؓ باجازت حضرت مہدیؑ ہونیکی جہت سے بہ نیت متابعت
المہدیؑ ادا کی جاتی ہے۔

دوگانہ تحیۃ الوضوء

حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "جو شخص وضوء
کرکے دو رکعت تحیۃ الوضوء کے نہ پڑھے وہ بخیل عبادت ہے"۔ ہماری قوم میں
اس فرمان واجب الاذعان کے پیش نظر بالالتزام جب بھی وضوء کیا جاتے دوگانہ
تحیۃ الوضوء پڑھا کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ فرض وقتی کے لئے تکبیر کہدی جائے

یا دوگانہ کی ادائی میں اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا جنازہ کی نماز کے جماعت قائم ہو چکی ہو یا بعجلت اس کی ادائی واجب ہو یا اُن اوقات میں وضوء کیا جائے جن میں سجدہ حرام ہے۔

احادیث نبوی صلعم میں اس نماز کی فضیلت بطور خاص بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں کوئی مسلمان ایسا جو وضوء کرے، اچھی طرح سے پھر کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے دونو رکعتوں میں متوجہ ہو کر اللہ کی طرف اپنے دل اور چہرے سے مگر یہ کہ اُس کے واسطے جنت واجب ہو گئی۔

(غایۃ الاوطار)

صحیح بخاری میں یہ حدیث مذکور ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے چلنے کی آواز اپنے آگے جنّت میں سُنی۔ صبح کو ان سے دریافت فرمایا کہ "تم کونسا ایسا نیک کام کرتے ہو کہ کل میں نے تمھارے چلنے کی آواز جنّت میں اپنے آگے سُنی"۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میں جب وضوء کرتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتا ہوں"۔ یہ حدیث مشکواۃ شریف کے باب التطوع فصل اول میں حضرت ابوہریرہ سے اور فصل ثانی میں حضرت بریدہ سے بھی مروی ہے۔

نیز کتاب رفیق الحج مولفہ مولوی احتشام الحسن کاندھلوی کے صفحہ ۱۵۷ پر یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا کہ میں نے حضور اقدس کو باہر تشریف لیجاتے ہوئے دیکھا۔ میں اُٹھ کر پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضور اقدس ایک باغ میں تشریف لے گئے، وضو کیا اور دو رکعت پڑھی اور ایک طویل سجدہ

کیا۔ میں اس خیال سے کہ حضورِ اقدس دارِ فنا سے رخصت ہو چکے، رونے لگا۔ پھر بہت دیر بعد حضورِ اقدس نے سجدہ سے سر مبارک اُٹھایا اور مجھ سے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے اپنے رونے کا سبب ظاہر کر دیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور رب العزت کا پیام لائے کہ جو شخص تجھ پر درود بھیجے، میں اس پر رحمت نازل کرونگا اور جو شخص تجھ پر سلام بھیجے میں اس پر سلامتی بھیجونگا۔ پروردگار کی اس نعمت پر میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔" اس حدیث سے تو آنحضرتؐ کا دوگانہ تحیۃ الوضوء کے بعد سجدہ میں جا کر دعا کرنا بھی ثابت ہے جو مہدویہ کا خاص عمل ہے۔ صاحب مالابدمنہؒ نے تو اس نماز کو سنت کہا ہے اور غایۃ الاوطار اور درمختار میں اس نماز کے کئی فضائل درج ہیں۔

تسبیح متعارف گروہِ مہدویہ

ہمارے گروہ مہدویہ میں نماز عشاء کے بعد سب حاضرین جماعت حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے اور بآوازِ بلند یہ تسبیح کہتے ہیں۔

امام کہتا ہے ______ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مقتدی کہتے ہیں ______ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ ؐ

امام کہتا ہے ______ اَللہُ اِلٰـھُنَا

مقتدی کہتے ہیں ______ مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا

امام کہتا ہے ــــــــ القرآنُ والمہدیؑ اماماً

مقتدی کہتے ہیں ــــــ آمنّا وصدّقنا

پھر امام جماعت اگر سب کا بزرگ اہل ارشاد ہو تو سب پر سلام پھیرتا ہے اور سب جواب سلام ادا کر کے رخصت ہوتے ہیں ورنہ تسبیح کے بعد ایک دوسرے کو سلام کر کے رخصت ہوتے ہیں اور اس تسبیح کی ابتداء رات میں ذکر خدا میں جاگنے کیلئے باری باری سے بیٹھنے کا حکم جو منجملہ احکام متعلقہ بہ ولایت محمدی کے حضرت مہدیؑ کی جانب سے نافذ ہوا ہے، اِسکی تعمیل سے ہوئی ہے اور باری باری سے ذکر خدا میں جاگنا اور دوسروں کو جگانے کے لئے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ صلعم اس طرح کہنا کہ اس کو سُن کر سونے والا ہوشیار ہو جائے۔ یہ دونوں عمل زمانۂ نبوّت کے ہونا احادیثِ صحیحہ ۔ سے ثابت ہے، فرق یہی ہے کہ نوبت بہ نوبت ذکر خدا میں رات میں بیدار رہنا وہاں سنّت نبوی صلعم قرار پا کر آپ کے صحابہؓ اس پر عمل پیرا تھے اور یہاں وہی عمل بہ حکم حضرت مہدیؑ فرض قرار پا کر فرائض طریقت میں شمار پایا ہے۔ وہاں خاص رسول اللہ کی اتباع میں خاص خاص صحابہؓ کا اس فرض پر عمل پیرا ہونا ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا کنبہ تین افراد پر مشتمل تھا۔ آپ، آپ کی بیوی آپ کا غلام پس رات کے تین حصّے کر کے ہر ایک شخص اس میں باری باری سے نماز و ذکر اللہ میں لگا رہتا تھا انتہیٰ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کسی کو نماز کیلئے نیند سے اُٹھاتے تھے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھتے تھے۔ انتہیٰ پس ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی جانب سے نوبت ذکر کی فرضیت اور اس نوبت کے موقع پر سوئے ہوؤں کو جگانے کیلئے جو تسبیح مذکور الصدر بلند آواز سے کہنے کا رواج ہوا ہی

اس سے سنت نبوی ؐ جو مٹ چکی تھی تازہ ہوئی ہے، اور جیسا کہ نماز کے بلاوے یعنے اذاں کے کلمات جو عہد رسالت ؐ میں ایک صحابی عبد اللہ ابن زید رضؓ کے دل میں بحالتِ خواب منجانب اللہ ڈالے گئے تھے اور ان ہی کلمات میں اذاں دینے کا حکم خدا اور رسول ؐ کی جانب سے شرف صدور پایا۔ ویسا ہی ذکر کے بلاوے یعنی تسبیح مذکور کے کلمات یہاں بھی حضرت مہدی ؑ کے ایک صحابی خاص بندگیمیاں الہداد حمید رضؓ کے دل میں منجانب اللہ ڈالے گئے اور انھوں نے حضرت مہدی ؑ کے حضور میں اُن کا ذکر کیا تو آنحضرت ؑ نے بہ حکم خدا اُن ہی کلمات کو باآواز بلند کہہ کر نوبت بہ نوبت ذکر خدا میں شب بیداری قائم رکھنے کا حکم دیا۔ پس جہاں طالبانِ خدا کا مجمع نہ ہو وہاں صرف نماز عشاء کے بعد یا کسی بزرگ کے بہرۂ عام کے موقع پر تسبیح مذکور باآواز بلند کہنے کا عمل جاری ہے۔ جیسا کہ شریعت کا اعلان اذاں توحید و رسالت کے اقرار اور دعوۃ صلاح و فلاح دینی پر مشتمل ہے اسی طرح طریقت کا اعلان مذکور القدر تسبیح متعارف گروہِ مہدویہ ہے جو اللہ کی وحدانیت محمد رسول اللہ ؐ کی نبوت و رسالت اور قرآن اور مہدی موعود کی امامت کے اقرار پر مشتمل ہے جس سے اہل ایمان سننے والوں کی قوتِ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کے دل و دماغ اس مبارک آواز سے روشن و منور ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے بعضے جاہل مخالفین کا کہنا یہ رہا ہے کہ اِن کلمات کے سننے سے اِن کے نکاح ٹوٹتے ہیں۔ اِن کلمات کے مفہوم کو سمجھنے کے بعد ان ہی میں کے سمجھدار افراد نے اُن کے قول مذکور کا بے اصل اور لغو ہونا تسلیم کیا ہے۔ ایسی کوئی بے اصل بات نہ کوئی وزن رکھتی ہے نہ اسکی تردید کی ہم کو کوئی ضرورت ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بات جو بے دلیل ہوتی ہے
اپنے قائل کی قدر کھوتی ہے

سلام پھیرنا

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ نماز عشاء کے بعد مکان میں تشریف لے جاتے تو مسجد سے نکل کر صحن مسجد میں آکھڑے ہوتے۔ اصحابؓ آپ کو گھیر لیتے۔ آپؐ ان سب کو السلام علیکم کہہ کر رخصت کر دیتے اور پھر ازواج مطہراتؓ سے اس حرم محترم کے حجرۂ شریف میں تشریف لیجاتے جس کی اُس روز باری ہوتی۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی اس سنّت کی پیروی کی ہے۔ عصر سے مغرب تک آپؑ بیانِ قرآن کرتے جس میں آپؑ کے تمام اصحابؓ اور مقامی لوگوں کے علاوہ دور و دراز کے لوگ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے، مغرب کے بعد سب ذکر اللہ میں بیٹھ جاتے اور نماز عشاء کے بعد آپؑ سب کو اسی طرح رخصت فرماتے۔ آپؑ صحن مسجد میں استادہ ہو جاتے تمام لوگ آپؑ کے اطراف حلقہ باندھے کھڑے ہو جاتے۔ آپؑ "السلام علیکم" کہہ کر اُن کو وداع کرتے۔ لوگ سلام کا جواب دیکر قدمبوسی کے بعد آپ سے رخصت ہو جاتے۔ یہ عمل آج تک قوم میں جاری ہے۔ قوم کے تمام مرشدین نماز عشاء کے بعد اپنے اپنے مریدوں اور دیگر مصلیوں کو اسی طرح رخصت کرتے ہیں۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت ہی سے کتنی ایسی سنتیں ہیں جو مٹ گئی تھیں پھر زندہ ہوئیں جن میں سے بعض کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور کئی ہیں جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ بہر حال وہ حدیث شریف پوری پوری آپ پر صادق آچکی جو آپ کے علامات میں بیان ہوئی ہے کہ مہدی بدعتوں کو ڈھا دے گا اور سنتوں کو زندہ کریگا۔

ذکر اللہ تعؔ

ذکر اللہ تعؔ یعنے اللہ تعالیٰ کی یاد عبادتوں میں ایسی عبادت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم دیا ہے کہ:۔ یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا وسبحوہ بکرۃ و اصیلا۔ (احزاب ٦٤) اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور صبح و شام اسی کی تسبیح کرو۔ دوسرے مقام پر اللہ پاک نے ذکر سے حاصل ہونیوالے فائدہ کلیان اس طرح فرمایا ہے کہ۔ واذکروا اللہ کثیر العلکم تفلحون۔ (سورۂ جمعہ) ترجمہ:۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ طریقۂ ذکر کے بارے میں اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے ــــ

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔ ترجمہ ــــــ اور یاد کر اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے دھیمی آواز سے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ایھا النّاسُ اذکروا اللہَ علی کل حالٍ فانّہ لیس عملٌ احبُّ الی اللہِ ولا انجیٰ لعبدٍ من کل سیئۃٍ فی

اَلدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔

ترجمہ:۔ لوگو اللہ تعالیٰ کو ہر حالت میں یاد کیا کرو کیونکہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو اپنے ذکر سے بڑھ کر پسند نہیں ہے اور نہ کوئی عمل بندے کو دنیا و آخرت میں گناہوں سے زیادہ نجات دلانے والا ہے سوائے ذکر اللہ کے۔

ذکر اللہ سے انسان کا دل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ (مشکوٰۃ) ــــــ ترجمہ:۔ ہر چیز کے لئے ایک صاف کرنیوالی چیز ہے اور دلوں کو صاف کرنیوالی چیز اللہ کی یاد ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کرنیوالے کی مثال زندہ انسان سے دی ہے، آپ فرماتے ہیں مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔

ترجمہ:۔ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اُس کی مثال (عن ابی موسیٰ۔ بخاری) اور جو نہیں کرتا اُس کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ یعنے اللہ کا ذکر دلوں کو زندہ رکھتا اور زندہ کرتا اور اللہ سے غفلت دلوں کو مار ڈالتی ہے۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بتایا کہ ذکر اللہ کرنے والا ہی مومن ہے۔ چنانچہ نقل شریف ہے نقلست حضرت میراں علیہ السلام فرمودند مومن آنکس است کہ ہمہ حال بالغدو والاصال در توجہ حق باشد (حاشیہ شریف) ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا مومن وہی شخص ہے جو ہر حالت میں صبح و شام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ اس نقل شریف سے ظاہر ہے کہ جو شخص صبح و شام ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتا رہے گا وہی مومن ہوگا یعنے اسی کو ایمان حاصل رہے گا۔

اس طرح ایمان داری کا دارومدار ذکر خدا ہی پر ہے۔ ذکر اللہ جاری ہے
تو ایمان بھی باقی ہے، ورنہ ایمان کہاں ہے؟

ذکر پانچ طرح کا ہوتا ہے۔ ذکر لسانی[1]، ذکر قلبی[2]، ذکر روحی[3]، ذکر سری[4]
اور ذکر خفی[5]۔ تمام اولیاء پیشین نے اپنے اپنے مُریدوں اور سلسلہ کے
لوگوں کو ذکر لسانی و قلبی وغیرہ کی تعلیم دی اور اکثر اس کے بھی پہلے تسبیحات
و تہلیلات میں لگا کر ایک عرصہ کے بعد ذکر خفی کی تعلیم دیتے تھے حالانکہ
آیت قرآن واذکر ربّک فی نفسك کے رو سے ابتداء ہی سے ذکر
خفی کی تلقین اولیٰ ہے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا
ہے خیر الذکر ذکر خفی یعنے بہترین ذکر ذکر خفی ہے۔ حضرت مہدی
علیہ السلام نے بھی بحکم خدا ذکر خفی ہی کی تعلیم دی، اور اس ذکر کے دل میں
جاگزیں کرنے اور حصولِ یکسوئی حضوریٔ قلب کی خاطر سلطان اللّیل اور
سلطان النہار میں یعنے عصر سے عشاء تک خصوصاً مشغول بہ ذکر رہنے اور
فجر سے دن نکلنے تک قبلہ رو بیٹھے رہنے اور رات میں ایک پہر تو بت
جاگنے میں شریک رہ کر ان اوقات کی حفاظت کا حکم دیا۔ حضرت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے بعد بیدار ہو جاتے کبھی صبح تک
جاگتے اور کبھی نماز فجر سے کچھ دیر پہلے تھوڑی دیر استراحت فرمالیتے۔
صبح و شام کے اِن دونوں اوقات میں ذکر اللہ میں بیٹھے رہنا بھی آنحضرت
کا معمول تھا۔ اور ان دونوں اوقات میں ذکر کی مشغولیت کی فضیلت
میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔

ہمارے پاس حضرت مہدی علیہ السلام کی بامر اللہ تعلیم سے ذکر
خفی ہی کی تلقین کا طریقہ رائج ہے۔ ذکر خفی وہ ہے کہ جب اس کا عامل

تلقین پاکر اس میں مشغول ہو جاتا ہے تو فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ ہر بشر کا ظاہری قول و فعل ہی فرشتوں کے علم میں آتا ہے اور نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، لیکن کسی بندۂ خدا کے ذکر خفی کو فرشتے بھی نہیں پا سکتے۔ ذکر خفی کا مدعا کیا ہے ؟ ذاکر باقی نہ رہے مذکور میں فنا ہو جائے۔ اِنسان اللہ کے نور سے بنا ہے۔ ذکر خفی میں مشغول ہو کر جب اپنی بشریت کو گم کر دیتا ہے تو سرتاپا نور ہو جاتا اور دیدار صفات و ذاتِ خداوندی سے بہرہ ور ہو کر مظہر ذات و صفات حق تعالیٰ بن جاتا ہے۔ نورالدین صاحب عرؔبی کے چند اشعار اس معنیٰ میں بہت خوب اور مرغوب ہیں ؎

ذکر سے ہوتا ہے دل روشن تمام	ذکر سے بنتے ہیں جسم و جاں نور
ذکر سے مٹتا ہے ظلمت کا اثر	ذکر سے ہوتا ہے دل کا زنگ دور
ہے وہی عابد وہی عارف یہاں	ذکر پر حاصل ہوا جس کو عبور
لا الٰہ میں فنا کر آپ کو	اور اِلّا اللہ سے پا تو حضور

سوال و جواب

سال حال اس فقیر کو بہ توفیق ایزدی حج بیت اللہ کے لئے حرمین شریفین جانے کا اتفاق ہوا۔ اس طرح سے کہ نواب رفیق مہدی خانصاحب ابن نثار مہدی خانصاحب نے سفر خرچ دیکر اس فقیر کو روانہ کیا تھا تو قیام مدینہ منوّرہ کے زمانے میں بعض مخالف مولوی صاحبان سے مسئلۂ اقتداء اور بعض دیگر مسائل پر جو گفتگو ہوئی ہے وہ ناظرین کی دلچسپی اور اضافۂ معلومات کیلئے درج ذیل کی جاتی ہے۔

مولوی صاحب: آپ لوگ ہماری جماعت کیساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے ـــــ؟

فقیر: ـــــ ہم مہدوی ہیں۔

مولوی صاحب: کیا مہدویوں کی نماز ہمارے پیچھے نہیں ہوتی ـــ؟

فقیر: ـــــ نہیں ہوتی ـــ!

مولوی صاحب: کیوں ؟

فقیر: ـــــ یوں سمجھئے آپ جس مہدی کے انتظار میں ہیں اگر اس مہدی کا ظہور ہوجائے اور اس پر آپ ایمان لائیں تو جو لوگ اس کا انکار کریں کیا اُن کے پیچھے آپ کی نماز ہوگی ـــ؟

مولوی صاحب: نہیں ہوگی۔

فقیر: ـــــ پھر ہماری نماز آپ کے پیچھے کیسے ہوگی جبکہ حضرت سید محمد جونپوریؑ کی مہدیت ہمارے پاس متحقق ہے اور ہم آنحضرتؐ پر ایمان لاچکے ہیں۔ پھر میں نے اُن سے سوال کیا

کیا آپ کی نماز اس امام کے پیچھے جو مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے ہیں، ہو رہی ہے ؟

مولوی صاحب: ہو رہی ہے۔

فقیر: امام حنبلی ہے، آپ حنفی ہیں پھر نماز کیسے ہو سکتی ہے۔؟

مولوی صاحب: ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی امر مانع نہیں۔

فقیر: سنئے امام صاحب کی تنخواہ نماز پڑھانے کیلئے مقرر ہے، اور وہ ماہانہ تقریباً دو ہزار ریال حکومت سے حاصل کرتے ہیں مگر نماز کے لئے نیّت باندھتے ہیں تو کہتے ہیں نویت ان اصلی للّٰہِ تعالیٰ یعنے میں نے نیت کی ہے کہ نماز پڑھوں اللہ کیلئے لیکن یہ نماز اللہ کے لئے نہیں بلکہ تنخواہ کے لئے ہے اگر تنخواہ بند کردی جائے یا بروقت اس کی ادائی نہ ہو تو وہ نماز پڑھانے سے انکار کر دیں گے اور غور طلب بات یہ ہے کہ نیت تو باندھی جا رہی ہے یہ کہکر کہ میں اللہ کے لئے نماز پڑھا رہا ہوں اور نماز پڑھائی جا رہی ہے محض مقررہ ماہوار کی بناء پر۔ کیا یہ جھوٹ نہیں ہوا اور پھر وہ بھی اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ کہنا کیا معمولی جرم ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز صحیح ہو گی ؟

مولوی صاحب: یہ تنخواہ نماز پڑھانے کیلئے نہیں بلکہ نماز کے لئے وہ جو وقت دے رہے ہیں اس کے پیسے لے رہے ہیں۔

فقیر: افسوس ہے آپ کے لوگ اللہ کے لئے تھوڑا سا وقت نہیں دے سکتے تو اللہ کی راہ میں وقت پڑے تو جان و مال کیا دیں گے۔؟

مولوی صاحب: یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا آپ کے گروہ کے مرشدین اپنے مریدوں پر تکیہ کئے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو توکل کہتے ہیں۔

فقیر: ایسا نہیں ہے۔ انکا توکل اللہ پر ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کے اظہار کے بعد سے کسی قسم کا کسب معاش نہیں کیا، بلکہ اس کے بعد پوری زندگی میں آپ متوکل علی اللہ رہے۔ ہمارے پاس بھی ترک دنیا کے بعد آنحضرت صلعم کے اسی عمل کی پیروی کی جاتی ہے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر حصولِ رزق کے لئے نہیں کی جاتی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑی جماعت فقیروں کی تھی جن کو اصحاب صفہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عبادت کے لئے وقف تھے کسی قسم کا کسب یا تجارت یا کھیتی باڑی ان کا پیشہ نہ تھا۔ کیا یہ بھی افراد امت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے اور اسی کا نام انھوں نے توکل رکھا تھا۔ ایسا تو کوئی مسلمان بھی نہیں سمجھتا۔ اب دیکھئے ہمارے فقراء و مرشدین انہی اصحاب رسول کے متبع ہیں ان کا پورا پورا بھروسہ اللہ پر ہے، وہ کبھی کسی سے کچھ مانگتے ہوئے یا کسی کے پاس غرض لیکر جاتے ہوئے آپ کو نظر نہیں آئیں گے وہ غیر اللہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ برخلاف اس کے آپ کے پاس کے فقراء اکثر بھیک مانگتے ہوئے اور دربدر پھرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ صحیح توکل کی راہ پر کون گامزن ہے۔

مولوی صاحب: یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر کہنے لگے آپ کے پاس

یہ کیا طریقہ ہے کہ جب میت دفن گاہ کی جانب لیجائی جاتی ہے تو میت کے ساتھ جو لوگ ہوتے ہیں وہ کلمۂ طیبہ نہیں پڑھتے۔

فقیر: وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذکراللہ بڑا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اِس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عبادتوں سے ذِکراللہ افضل ہے ہمارے پاس اِسی پر عمل ہے۔ جو لوگ میّت کے ہمراہ رہتے ہیں وہ ذکراللہ میں خاموشی کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اور یہی طریقہ افضل بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی طریقہ تھا۔ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ آنحضرتؐ نے میّت کو لیجاتے وقت باآوازبلند کلمۂ طیبہ پڑھنے کی ہدایت کی اور نہ یہ بات اصحابِ رسولؐ کے زمانے میں تھی بلکہ آج بھی آپ حرمین شریفین میں دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں جتنی اموات ہوتی ہیں اُن کو دفن گاہ کی جانب لے جانے والے کلمہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھے گئے بلکہ خاموشی کے ساتھ لیجاکر میتیں دفن کردی جاتی ہیں، یہی ہمارا طریقہ ہے۔

مولوی صاحب: آپ کے پاس میت کے ہاتھ سینے پر موڑ دیئے جاتے ہیں۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ حالانکہ سیدھا رکھنا چاہیئے۔

فقیر: ہمارے پاس موت کا تصوّر یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ کے حُضور جارہا ہے۔ پس جس طرح نماز میں خُداکےحضور کھڑے ہوئے ایک عبادت گذار ادباً اپنے ہاتھ سینے پر یا ناف پر باندھ کر خدا کے جلال و بُزرگی کا احترام کرتا ہے ایسے ہی ہم اپنی میّت کو یہ سمجھ کر کہ وہ خدا کے حضور پیش ہورہی ہے اسکے ہاتھ سینے پر باندھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد فقیر نے مولوی صاحب سے کہا آپ کے پاس

مرنے کے بعد مُردے کے پیر قبلہ کی جانب کرکے لٹا دیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

مولوی صاحب: اس لئے کہ قیامت کے روز جب مُردہ اُٹھیگا تو اس کا منہ قبلہ کی جانب رہے گا

فقیر: جب ایسا ہے تو بوقت دفن اس کے پیر قبلہ کے جانب رکھنے چاہیئے۔ ایسا تو نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے پیر جنوب کی جانب رہتے ہیں۔ پس اگر وہ قیامت میں اُٹھے تو اس کا منہ جنوب کی طرف ہوگا۔ دفن کے پہلے مردہ کو اس طرح لٹائے رکھنا کہ اس کے پیر قبلہ کی طرف ہوں غلط طریقہ ہے، بلکہ مُردہ کو گنہگار کرنا ہے۔ کیونکہ زندہ ہو یا مُردہ پیر جانب قبلہ کرنا حرام ہے اور احترام قبلہ کے خلاف (آستانہ ڈسمبر ۱۹۶۳ء؁ میں لکھا ہے کہ مرنے والے کا مُنہ قبلہ کی طرف کرکے لٹانا مسنون ہے۔)

مولوی صاحب: سُنا گیا ہے کہ آپ کے پاس جب کوئی شخص قریب بہ مرگ ہوتا ہے تو مُرشد کو بُلوایا جاتا ہے۔ مرشد آکر لوگوں کو ہٹا دیتے ہیں صرف مریض اور وہ مُرشد دونوں ہی رہ جاتے ہیں مرشد اُس کے کان میں کہتے ہیں کہ "مہدی نہیں آئے بلکہ قیامت کو آئیں گے"۔ پھر فوراً مرشد صرف اِس مریض کا گلا گھونٹ کر مار دیتے ہیں۔

فقیر: یہ سب بُہتان ہے۔ جب مُرشد سب کو ہٹا کر مریض کے کان میں یہ بات، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے کہتے ہیں اور پھر فوراً اس کو مار ڈالتے ہیں تو پھر آخر اس کو سُنا کس نے؟ اور یہ سب مردوں

کو کیسے معلوم ہوا۔ آپ تک اس بات کو پہنچانے والے سے آپ خود پوچھیئے اُس نے کب، کس طرح۔ اور کس سے اُس کو سنا ہے (یہ بات نہیں بلکہ اونٹ کا پادھے نہ زمین کو پہونچے نہ آسمان کو۔ ایسی بات در ہوا باتوں پر یقین کرنا کسی عاقل کا کام نہیں) اصل واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جب کوئی شخص سخت بیمار ہو جاتا ہے اور اس نے ترکِ دنیا کر کے طالبانِ خدا میں خود کو شامل نہیں کیا ہو تو اِس فرض کو ادا کرنے کے لئے وہ اپنے مُرشد کو طلب کرتا ہے۔ مرشد اگر اُس کو دنیا ترک کراتے اور ذکر اللہ کی تعلیم دیتے ہیں تاکہ اُس کا دِل اللہ سے لگ جائے اور اُس کی روح پرواز ہو تو اِس عالم میں کہ وہ ذکر اللہ میں رہے۔ اِس طرح جو شخص مرتا ہے اُس کی زندگی چیز ہو جاتی ہے۔

مولوی صاحب: آپ کے پاس مرنے کے بعد میّت حظیرہ ہی میں دفن کی جاتی ہے۔ کسی دوسری جگہ نہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

فقیر: ہمارے پاس اگر کسی بزرگ کا حظیرہ قریب نہ ہو اور وہاں تک میّت لیجانا دشوار ہو تو کسی بھی جگہ میّت کو دفن کر سکتے ہیں۔ اِس کی ممانعت نہیں۔ لیکن کسی بزرگ کا پائین قریب ہونے کی صورت میں میّت وہیں دفن کی جاتی ہے یا دور ہو اور میّت کے ورثہ میں قدرت ہو تو میّت کو وہیں لے جا کر دفن کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "تم اچھا پڑوس ڈھونڈھو" اس لحاظ سے مرنے کے بعد بھی مُردوں کے لئے اچھا ہی پڑوس دیکھنا چاہیئے اور اولیاء و صالحین رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر اچھا پڑوس کس کا ہو سکتا ہے۔ دوسری خاص وجہ

اس کی یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اللہ کے نیک بندوں پر جن پر اولیاء اللہ
۔۔۔ وصالحین وصادقین ہونے کا اطلاق ہوتا ہے اللہ کی رحمت کا شب
وروز نزول ہوتا ہے۔ جو لوگ اُن کے قرب وجوار میں دفن ہوتے ہیں
اس رحمت سے ان کو بھی حصہ ملتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے
کسی بڑے آدمی کے پاس کھڑے ہوکر اگر کوئی شخص پنکھا جھیلے تو جو
دوسرے لوگ پاس بیٹھے یا کھڑے ہوئے ہوں وہ بھی اس ہوا سے مستفید
ہوں گے۔ حالانکہ یہ پنکھا اِن کے لئے نہیں جھیلا جا رہا ہے۔ اِسی طرح
کسی مکان میں اگر قندیل یا چراغ لگاکر روشنی کی جائے تو جتنے لوگ وہاں
ہونگے سب ہی برابر اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ پس بزرگانِ دین
کے حظیرے بھی ایسے ہی ہیں، جو خدا کی رحمت کی ہوا اور اس کے نور سے
ہمیشہ خنک اور منوّر رہتے ہیں اور جو لوگ وہاں دفن ہوتے ہیں وہ
بھی اِس رحمت سے حصّہ پاتے ہیں۔

مولوی صاحب: آپ کے لوگ اکثر کہتے ہیں "یا رسول مہدی" کیا آپ
کے مہدی رسول ہیں؟ اور ہم نے یہ بھی سُنا ہے آپ کلمہ محمد رسول
اللہ ؐ کا نہیں بلکہ مہدیؑ کا پڑھتے ہیں۔

فقیر: ہمارے بعض لوگ کبھی کبھی "یا رسول مہدی" ضرور کہتے ہیں
لیکن اس سے آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط ہے۔ یا رسولؐ
مہدیؑ سے مطلب حضرت رسول خداؐ اور حضرت مہدی علیہ السلام
دونوں کو ملاکر پکارنا ہے، یعنے یہ جملہ دونوں کے ناموں کا مخفف
ہے۔ اور ہم مہدیؑ کا کلمہ کبھی نہیں پڑھتے بلکہ رسول اللہ ؐ کا ہی
کلمہ پڑھتے ہیں کیونکہ ہم مہدی علیہ السلام کو صاحبِ شریعت جدیدہ

نہیں مانتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا ظہور حضرت محمد مصطفیٰؐ کی صفت باطنی جو ولایت ہے اس کے اظہار کے لئے ہوا ہے۔
چنانچہ اذاں میں ہم اشھد ان محمداً رسول اللہ ہی کہتے ہیں۔ مہدیؑ کا نام نہیں لیتے۔ نماز میں التحیات کے بعد تشہد میں بھی اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ کا اقرار کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت مہدیؑ کا نام نہیں لیتے۔ درود میں بھی اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمدؐ کہتے ہیں۔ نماز میں درود میں علیحدہ حضرت مہدیؑ کا نام نہیں لیتے۔ جب کبھی کلمۂ طیبہ پڑھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کہتے ہیں۔ اب آپ کو کیا اعتراض ہے۔

مولوی صاحب: آپ لوگ ہر سال محرم کی دسویں تاریخ بولا چالا معاف کراتے ہیں، یہ کیوں۔؟

فقیر: جب حضرت امام حسینؓ محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے میدان میں، جنگ کو جانے لگے تو آپ نے تمام اہل وعیال ورشتہ داروں سے جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے بولا چالا معاف کروالیا۔ ہم اسکی اتباع کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ آپس میں کسی کو کسی سے کوئی رنجش وغیرہ، کدورت ہے تو اس فعل سے دور ہو جائے۔

مولوی صاحب: امام حسینؓ تو جنگ میں جا رہے تھے ایسے وقت واپسی کی توقع بہت کم رہتی ہے۔ کیا آپ لوگ اس روز مرنے یا مارنے کے لئے جاتے ہیں، جو ایسا کرتے ہیں؟

فقیر: عین مرنے کے لئے جاتے وقت یا مرتے وقت ایسا کرنے

کا ہر ایک کو موقع کہاں ملتا ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا موقع کسی ملتا ہے، ہمارا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ سال بھر میں جو آپس میں لغزشیں ہوتی رہتی ہیں، وہ معاف ہو جائیں اور اُس کے بعد موت آجائے۔ جتنے دن کے بعد موت آئیگی ظاہر ہے اُتنے ہی دنوں میں جو لغزشیں ہوئی ہونگی اُنہی کا مواخذہ ہوگا۔ پچھلا تو سب معاف ہو چکا ہوگا۔ برخلاف اس کے عمر بھر کی دوسروں کی حق تلفیوں یا ایذا دہندگیوں کی گٹھڑی سر پر لے کر مریں۔ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں۔

مولوی صاحب: آپ لوگ فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کیوں نہیں کرتے؟

فقیر: اس لئے کہ ایسا کرنا سُنّت نہیں ہے۔ یہ بات رسول اللہؐ سے ثابت نہیں ہے کہ کسی فرض نماز کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی ہے اب آپ مدینہ میں ہیں، یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا نہیں کی جاتی۔ یہ محض اس لئے کہ رسول اللہؐ کا طریقہ ایسا ہی تھا جو اب تک آپ کے مدینہ طیبہ میں جاری ہے۔ نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کان النبی صلعم لایرفع یدیہ فی شیئٍ من الدعاء الّا فی الاستسقاء (بخاری ج ا ص ۱۴۵) حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی دُعا میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے سوائے بارش کی دُعا کے۔ خُدا تعالیٰ کا فرمان بھی ادعوا ربکم تضرعاً وّ خفیۃ انّہ لا یحب المعتدین ہے (پارہ ۸ ع ۱۴) تم اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ چھپا کر دُعا مانگو وہ حد سے گذرنے والوں

کو نہیں چاہتا۔ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے میں نہ تضرّع ہے نہ پوشیدگی بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بندہ جب رکوع کرتا ہے اللہ سے قریب ہو جاتا ہے اور جب سجدہ کرتا ہے قریب تر ہو جاتا ہے اس لئے سجدہ میں دعا کرنا انسب ہے۔ ہم وضوء کے بعد تحیتہ الوضوء کے دُو رکعت پڑھ کر سجدہ میں جاتے اور خُدا سے دُعا کرتے ہیں۔ وہ اِسی آیت و حدیث پر عمل ہے۔

مولوی صاحب: آپ کہتے ہیں "مہدی آئے اور گئے" اور تمام اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ مہدی قریب قیامت ظہور فرمائیں گے۔

فقیر: ہر پہلے پیغمبر نے اپنے بعد آنیوالے پیغمبر کی پیشین گوئی کی ہے اور اس کی پہچانت کیلئے کچھ علامتیں مقرر کی ہیں چنانچہ توریت میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پیشین گوئی موجود ہے۔ مگر یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے بعد آپ کا انکار کیا، اور یہی کہا کہ مسیح بعد میں آئیں گے اور اب تک انکے منتظر ہیں۔ اِسی طرح توریت و انجیل میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئی بھی ہے اور آپ کی علامتیں بھی ہیں مگر یہود و نصاریٰ نے رسول اللہؐ کا انکار کیا اور اب تک ایک نبی آخرالزّماں کے انتظار میں بیٹھے ہوے ہیں۔ فرمائیے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اس طرح چونکہ حضرت رسول اللہؐ کے بعد پیغمبری ختم ہو چکی تھی۔ آپؐ نے اپنے بعد ایک امام کے متعلق پیشین گوئی کی اور کہا کہ وہ مہدی خلیفۃ اللہ ہے، جب

مہدی علیہ السلام نے ظاہر ہو کر دعویٰ کیا تو اسلام کے دیگر فرقوں نے آپ کا انکار کیا اور کہہ رہے ہیں کہ مہدی قیامت کے قریب آئیں گے۔ حالانکہ رسول اللہؐ نے آپ کے متعلق جو علامتیں بتلائی ہیں اور جو صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں وہ سب آپ میں موجود ہیں۔ پس جو حال اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ہوا وہی اسلام کے ان منکر فرقوں کا ہوگا۔

مولوی صاحب؛ کیا مہدی علیہ السلام کا نام قرآن میں ہے؟

فقیر؛ حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق آیاتِ قرآنی میں اشارے پائے جاتے ہیں۔ پہلے یہ فرمائیے آپ جس مہدی کے منتظر و معتقد ہیں کیا ان کا نام قرآن میں ہے؟

یہ سن کر مولوی صاحب بالکل خاموش ہو گئے۔ پھر کہا:

مولوی صاحب؛ مگر حضرت سید محمد جونپوری بہت بزرگ تو ضرور تھے اور اولیاء کرام سے تھے مہدی موعود نہیں تھے۔ مہدی کے معنی ہدایت والے کے ہیں۔ وہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اس لحاظ سے تو مہدی ہیں لیکن مہدی موعود نہیں ہیں۔ آپ لوگوں نے اُن کو مہدی موعود مان لیا اور مہدی موعود کہہ رہے ہو۔

فقیر؛ ہمارے مہدی موعودؑ نے صاف صاف الفاظ میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ کے دعویٰ کے الفاظ یہ ہیں:-

"بندے کو صحت حاصل ہے۔ کوئی مرض نہیں ہے، عقل ہے دیوانگی نہیں ہے، توانگری ہے محتاجی نہیں ہے ہشیاری ہے، بیہوشی نہیں ہے"۔ اس کے

اظہار کے ساتھ فرمایا کہ "حق تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ
اے سید محمد تو مہدی موعود ہے اس امر کو ظاہر کر اور خلق
کو میری طرف بلا"

آپ کے اس دعویٰ[1] کو آپ کے زمانے کے بڑے بڑے علماء
مشائخین، صوفیاء اور محققین سب ہی نے مان لیا ہے۔ بڑے بڑے امراء و
سلاطین نے ان علماء و مشائخین کے تصدیق کرنے کو دیکھ کر خود بھی اپنا سر
حضرت مہدی موعودؑ کے آستانے پر ٹیک دیا ہے اور آپ کے زمانے سے
لے کر آج تک جو علماء و مشائخین صاحب سمجھ اور اللہ سے ڈرنے والے

---

[1] حضرت مہدی علیہ السلام کا یہ دعویٰ جو ۹۰۳ھ میں احمد آباد میں ہوا
تھا دعویٰ غیر مؤکد کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ۹۰۵ھ میں بمقام بڑلی آنحضرتؐ
نے دعویٰ مؤکد ان الفاظ میں فرمایا انا المھدی الموعود خلیفة
اللہ وانا تابع محمد رسول اللہ من اتبعنی فھو مومن ومن
انکربذاتی فقد کفر۔ (ترجمہ) میں مہدی موعود اللہ کا خلیفہ محمد رسول
اللہؐ کا پیروی کرنیوالا ہوں۔ جس نے میری پیروی کی وہ مومن ہے اور جس
نے میری ذات کا انکار کیا پس تحقیق کہ وہ کافر ہے (مولود مؤلفہ حضرت شاہ
عبدالرحمنؒ مطبوعہ ص۶۸) چنانچہ حضرت شاہ راجو قتالؒ کے پدر بزرگوار حضرت
خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ نے اپنی کتاب تحفۃ النصائح میں لکھا ہے

[2] مہدی بیاید بے شکے وعدہ چو دادہ مصطفیٰؐ
تصدیق او فرض است بداں انکار او باشد کفر

نیز لکھا ہے...

فرزند من مہدی بداں گفتہ پیمبر اینچنیں
او بعد من آید یقین بر سال نہصد ہیچ و گر

بقیہ ص۹۸

لوگ آپ کے دعویٰ کی تحقیق کرتے رہے ہیں انہوں نے ضرور آپ کے دعوے کو تسلیم کر لیا ہے اور آپ کی تصدیق کرتے چلے آرہے ہیں کچھ عرصہ پہلے علامہ عبداللہ شاستری صاحب نے جو ڈبھوی (گجرات) میں مقیم تھے۔ ہمارے بعض لوگوں سے مل کر ہمارے مذہب کی تحقیق کی اور جب اُن پر حق ظاہر ہوا انھوں نے اِس کا اعلان کر دیا اور مرتے دم تک تصدیق مہدیؑ پر قائم رہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی تصدیق کی وجہ سے ان کا بہت مالی نقصان ہوا اور ان کی تنخواہ وغیرہ جو نماز پڑھانے اور دیگر مذہبی خدمات کے عوض مقرر تھی بند ہوگئی مگر انھوں نے اسکی پرواہ نہ کی۔ یہ علم عربی کے عالم متبحّر تھے اور بیسؔ سال تک مصر میں رہ کر علمِ دین حاصل کیا تھا۔ تینؔ سال مدینہ میں رہے۔ غرض تک بڑے بڑے شہروں میں علمی خدمات بھی انجام دیں۔ اُن کی تحقیق میں حضرت اِمامنا سید محمد جونپوریؑ ہی مہدی موعود ثابت ہوئے۔ حال میں ایک پنجابی عالم نے بھی ہمارے دینی برادر قاری مولوی عبدالرحیم صاحب عرف میاں بھائی پان والا ساکن ڈبھوی گجرات سے دو مہینے تک حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق مباحثہ کیا اور بالآخر حق کے کھلنے پر مہدی علیہ السلام کی تصدیق کا اعلان کر دیا پھر واپس پنجاب چلے گئے۔ اِس کے بعد بھی کئی مرتبہ وہ گجرات آئے اور گئے اور اب تک وہ تصدیق پر قائم ہیں۔ اِسی طرح مدراس کی جانب بعض مقامات پر اہل علم وفہم اصحاب سے سات آٹھ افراد نے معہ اپنے اہل وعیال

بہ سلسلہ صفحہ ۹۷

ملاحظہ ہو تحفۃ النصائح قلمی قدیم جس کا حوالہ صاحب کحل الجواہر نے اپنی کتاب میں بعد تحقیق دیا ہے۔

اور پورے خاندان کے ہمارے ہی گروہ کے ایک مشائخ ابوالعرفان سیّد خوندمیر صاحب منوّری سے حضرت مہدی علیہ السلام کے حالات سُنکر اُن کے ہاتھ پر بعد تحقیق تصدیق مہدیؑ کرلی اور وہ سب لوگ باوجود اس کے کہ مخالف علماء سے اُن کا بڑا ربط ہے، مہدویہ طریقہ پر قائم ہیں، کیا ان سب کی تحقیق میں نقص تھا۔؟ یہ علماء اور ذی فہم افراد سب کے سب متقی پرہیزگار خداترس ہیں۔ اُن کا حضرت سید محمد جونپوریؑ کو مہدی موعود مان لینا دوسرے سب لوگوں پر حجت کا تمام ہونا ہے۔ کیونکہ اِن سب کی حیثیت گواہان عادل کی ہے، برخلاف اُن کے انکار کرنے والوں نے محض دنیا کی طلب ومحبت میں انکار کیا ہے۔ انھوں نے اپنے نفس کی پیروی کی اور حق سے باز رہے، ایسے علماء کا کیا اعتبار ـــ؟

اس کے بعد فقیر نے حضرت مہدی علیہ السلام کے مختصر حالات اُن لوگوں کو جو حاضر تھے سُنائے اور آپ کے چند معجزات اور پیشین گوئیوں کا ذکر بھی کیا جب میں نے یہ کہا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل فرمایا تھا کہ "میرے مرنے کے بعد مجھے قبر میں رکھ کر دیکھو۔ اگر میری نعش کفن سے غائب ہو جائے تو مجھے مہدی برحق جانو ورنہ سمجھو کہ میں مہدی نہیں"۔ جب آپ کو قبر میں رکھا گیا اور صورت دیکھنے کے بعد پھر مُنہ ڈھانپ دیا گیا تو اس پیشین گوئی کے یاد آنے پر آپ کے فرزند حضرت میراں سید محمودؓ نے لفافے میں آپ کی نعش ٹٹولی۔ نعش غائب ہو چکی تھی اور صرف لفافہ رہ گیا تھا۔"

یہ سُنتے ہی ایک اہلِ حدیث صاحب نے جو وہاں موجود تھے عالم

حیرت و استعجاب میں دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر کہنے لگے "نعش کیا ہوئی؟"
فقیر نے کہا۔ حدیث صحیح ہے ارواحنا اجسادنا و اجسادنا ارواحنا
حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں ہمارے ارواح ہمارے اجساد ہیں اور ہمارے
اجساد ہماری ارواح ہیں یعنی روح و جسم دونوں ایک ہو چکے ہیں۔ جب
جسم مانند روح کے شفاف ہو کر نور ہی نور بن جاتا ہے تو پھر وہ مقید کیسے
رہ سکتا ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کا جسم بھی لطیف ہو گیا تھا۔ آپؑ
کا حال یہ تھا کہ متعدد مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مہینوں گذرنے پر بھی آپؑ
نے کھانے اور پانی کا استعمال نہیں فرمایا اور پھر آپؑ کی نشست و برخاست
بات چیت اور عبادت وغیرہ میں فرق نہیں آیا۔ آپ بارہ سال مسلسل
بیہوش رہے۔ پہلے سات سال تو آپ نے نہ کھانے کا دانہ کھایا نہ پانی
کا ایک گھونٹ پیا۔ مگر اس عالم بیہوشی میں بھی نماز کے وقت ہوش
میں آکر وضو کر کے نماز ادا کر لیتے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ آپ
سرتاپا نور بن گئے تھے۔ پھر نور کیسے پڑے رہ سکتا ہے؟؟ دیکھئے لوہے
کی سلاخ اگر کسی لکڑی میں دبائیں تو وہ آرپار نہ ہوگی لیکن اگر اسی
سلاخ کو آگ میں گرم کر کے سُرخ ہو جانے کے بعد اسی لکڑی میں دبایا
جائے تو سوراخ ہو جائے گا معلوم ہوا کہ صفات کی تبدیلی سے اثرات
بھی بدل جاتے ہیں۔ حضرت مہدی علیہ السلام بھی ذکر اللہ کے غلبہ
سے سرتاپا نور بن کر ذات اللہ میں فنا ہو گئے تھے۔ یہ سُن کر حاضرین
خاموش ہوئے۔ تمام ہوا رسالہ قوت الایمان بحمد اللہ المنان۔

تصدیق تیری کرتی ہے کافر کو مسلماں — کیا مجھ کو بچا سکتی نہیں جرم و خطا سے

قطعۂ تاریخی

مشتمل بر سال تصنیف ایں رسالہ شریفہ

نتیجۂ فکر حضرت علامۂ زماں مفسّرِ قرآن مولانا مولوی
ابو رشید سید خدا بخش صاحب رشدی
صدر دار الاشاعت تفسیر القرآن و کتب سلف صالحین جمعیۃ مہدویہ

دیکھئے تحریر کیا مرغوب ہے | اہلِ دانش کا یہی مطلوب ہے
سالِ تصنیف اس کا رشدی نے کہا | قوّتُ الایمان حاصل خوب ہے

۱۲ ہجری ۹۱

المرقوم ۶ ماہِ جمادی الثانی
۱۳۹۱ھ

(کتبہ سید نصرت مہدوی چنچل گوڑہ)

صحت نامہ کتاب قوت الایمان

سلسلہ نشان	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۰	۱۴	میں	ہیں
۲	۱۶	۱	احمد آباد میں بمقام	اور ۹۰۵ھ میں بمقام بڑلی
۳	۱۷	۵	حضرت میاں	حضرت میراں
۴	۱۸	۹	الاو تہ	الّاوَصبَّتہٗ
۵	۲۲	۸	بن	بن کر
۶	”	۱۴	کا	کیا
۷	۲۳	۳	یمتحی	یُمحی
۸	۲۵	۱۲	ولوشفاء	ولوشاء
۹	۲۶	۱۹	کہا	کیا
۱۰	۳۲	۱۷	پس کے	پس اس کے
۱۱	۳۷	۱۴	کے دوبدو	سے دوبدو
۱۲	۴۴	۶	(حقیقی)	(محبوبِ حقیقی)
۱۳	۵۰	۱۲	خودی نے	خودی سے
۱۴	۵۵	۴	کو اللہ تعالیٰ	تو اللہ تعالیٰ
۱۵	۵۸	۱۱	دریَق یَق	دریَق یَق
۱۶	۶۲	۴	دورِ نبوت عام	دورِ نبوت میں عام
۱۷	۶۶	۷	العظیم	یُعَظِّمُ
۱۸	۷۶	۷	ہوگیا	ہوگیا
۱۹	۷۷	۲	کے جماعت	کے لئے جماعت
۲۰	۹۴	۱	کسی ملتا	کسی کو ملتا